سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو نمبر ۷۳

اردو کی ابتدائی نشو و نما

میں

صوفیائے کرام کا کام

نوشتۂ

مولوی عبدالحق صاحب بی - اے (علیگ)

معتمد اعزازی انجمن ترقی اردو

—:o:—

مطبوعہ مطابع انجمن ترقی اردو

اورنگ آباد دکن

سنہ ۱۹۳۳ ع

اردو کی ابتدائی نشو و نما

میں

صوفیاے کرام کا کام

صوفی صوف سے مشتق ہو یا صفا سے، وہ مذہبی اور اخلاقی عالم میں ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ملک و ملت سے بے نیاز ہے اور ہر قوم اور ہر مذہب میں پایا جاتا ہے۔ وہ ایک قسم کا باغی ہے جو رسم و ظاہرداری کو، جو دلوں کو مردہ کر دیتی ہیں، روا نہیں رکھتا اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے۔ مولوی اور صوفی میں یہ فرق ہے کہ وہ ظاہر کو دیکھتا ہے اور یہ باطن کو۔ وہ لفظ دیکھتا ہے اور یہ معنی کو۔ وہ رسمیات اور تقلید کا پابند ہے اور یہ ان سے بیزار ہے۔ اس کی نظر برائی پر پڑتی ہے ارو یہ برے سے برے میں بھی بھلائی کا پہلو

ڈھونڈھ نکالتا ھے - وہ لعن طعن سے کام لیتا ھے اور یہ مہر و محبت سے - وہ سختی اور تشدد کرتا ھے اور یہ نرمی اور ملائمت - وہ بہت کم معاف کرتا ھے اور اس کا شیوہ درگذر کرنا ھے - وہ خودی اور خود نمائی سے بڑا بنتا ھے اور یہ فروتنی اور خاکساری سے دلوں میں گھر کرتا ھے - وہ دوسروں کے عیوب کا متجسس رھتا ھے اور یہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ھے - وہ اپنے علم سے مرعوب کرنا چاھتا ھے اور یہ اپنے عمل سے دوسروں کو لبھاتا ھے —

مولوی سب کو ایک لاٹھی سے ھانکتا ھے لیکن صوفی ھر ایک کے رنگ طبیعت کو دیکھتا ھے اور جیسی جس کی طبیعت کی افتاد ھوتی ھے اُسی ڈھنگ سے اس کی تربیت کرتا ھے - اور اس میں بعض اوقات وہ شریعت سے تجاوز کرنے یا بعض ارکان و اصول کے ترک کرنے میں بھی مضایقہ نہیں کرتا - اس کی نظر انجام پر رھتی ھے - وہ مولوی کی طرح لفظ کا بندہ نہیں بلکہ معنی کو دیکھتا ھے - اصل صوفی بہت بڑا ماھر نفسیات ھوتا ھے اور باوجودیکہ وہ دنیا سے ایک گونہ بے تعلق اور مولوی اس کے مقابلہ میں بہت زیادہ دنیا دار ھوتا ھے

مگر وہ علماء کی نسبت کہیں زیادہ زمانے کی نبض کو پہچانتا ہے۔ وہ دلوں کو ٹٹولتا ہے اور اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ دلوں کی تہ تک پہنچتا ہے جہاں انسان کے اصل اسرار چھپے اور دبے رہتے ہیں، جن سے ہم خود بھی اکثر واقف نہیں ہوتے۔ مولوی کی نظر وہاں تک نہیں پہنچتی۔ اسی میں صوفی کی جیت ہے۔ اس کے بعد وہ نفس کی چوریاں اس آسانی، خوش اسلوبی اور لطف سے پکڑتا اور ان کی اصلاح کرتا ہے کہ بعض اوقات مرید کو خبر بھی نہیں ہونے پاتی۔ اس کا سب سے بڑا اور مقدم اصول دلوں کا ہاتھ میں لانا ہے اور اس مقصد کے حصول میں وہ کسی ظاہری رکاوٹ کی خواہ شرعی ہو یا غیر شرعی پروا نہیں کرتا اور سب کو توڑ کے رکھ دیتا ہے۔ اور صحیح بھی ہے، جب دل ہاتھ میں آگیا تو گویا سب کچھ مل گیا۔ کسی دل کا ہاتھ میں لانا ایک نئی دنیا کے فتح کرنے سے کم نہیں ہے۔ یہ جو مشہور ہے کہ "دل بدست آور کہ حج اکبر است" یہ صوفی ہی کا قول ہے اور صوفی ہی اس پر عمل کرسکتا ہے۔

حضرت رابعہ بصری کی نسبت کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک بار فرمایا "اگر در ہوا پری مگسی، اگر بر دریا روی خسی، اگر دل بدست آری کسی"۔ پیر استاد ہری کا ایک قول منقول ہے "نماز گزاردن کار بیوہ زناں است، روزہ داشتن صرفۂ ناں است۔ حج کردن کار بیکاراں است، دلے دریاب کہ کار آنست"*۔

یہی وجہ ہے کہ علما و امرا بلکہ حکومتوں اور بادشاہوں سے بھی وہ کام نہیں ہو سکتا جو فقیر اور درویش کر گذرتے ہیں۔ بادشاہ کا دربار خاص ہوتا ہے اور فقیر کا دربار عام ہے جہاں بڑے چھوٹے، امیر غریب، عالم جاہل کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ بادشاہ جان و مال کا مالک ہے۔ لیکن فقیر کا قبضہ دلوں پر ہوتا ہے اور اس لیے اُن کا اثر محدود ہوتا ہے اور اِن کا بے پایاں۔ اور یہی سبب ہے کہ درویش کو وہ قوت و اقتدار حاصل ہو جاتا تھا کہ بڑے بڑے جبّار

---

* قلمی نسخہ سرورالصدور صفحہ (۲۲۰) کتب خانہ نواب صدر یار جنگ بہادر، حبیب گنج —

اور با جبروت بادشاہوں کو بھی اس کے سامنے سر جھکانا پڑتا تھا —

مسلمان درویش ہندوستان میں پر خطر اور دشوار گزار رستوں ، سر بفلک پہاڑوں اور لق و دق بیابانوں کو طے کر کے ایسے مقامات پر پہنچے جہاں کوئی اسلام اور مسلمان کے نام سے بھی واقف نہ تھا اور جہاں ہر چیز اجنبی اور ہر بات ان کی طبیعت کے مخالف تھی - جہاں کی آب و ہوا ، رسم و رواج ، صورت شکل ، آداب و اطوار ، لباس ، بات چیت غرض ہر چیز ایسی تھی کہ ان کو اہل ملک سے اور اہل ملک کو ان سے وحشت ہو - لیکن حال یہ ہے کہ انھیں مرے صدھا سال گذر چکے ہیں لیکن اب بھی ہزاروں لاکھوں بندگان خدا صبح و شام ان کے آستانوں پر پیشانیاں رگڑتے ہیں اور جن جن مقامات پر اُن کے قدم پڑے تھے وہ اب تک " شریف " اور " مقدس " کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں - یہ کیا بات تھی ؟ بات یہ تھی کہ ان کے پاس دلوں کے کھینچنے کا وہ سامان تھا جو نہ امرا و سلاطین کے پاس ہے اور نہ علما و حکما کے پاس —

لیکن دلوں کو ہاتھ میں لانے کے لیے سب سے

پہلے ہمزبانی لازم ہے - ہمزبانی کے بعد ہم خیالی پیدا
ہوتی ہے - درویش کا تکیہ سب کے لیے کھلا تھا -
بلا امتیاز ہر قوم و ملت کے لوگ ان کے پاس آتے
اور ان کی زیارت اور صحبت کو موجب برکت سمجھتے -
عام و خاص کی کوئی تفریق نہ تھی - خواص سے زیادہ
عوام ان کی طرف جھکتے تھے - اس لیے تلقین کے لیے
انھوں نے جہاں اور ڈھنگ اختیار کیے ان میں سب
سے مقدم یہ تھا کہ اس خطے کی زبان سیکھیں تاکہ
اپنا پیغام عوام تک پہنچا سکیں - چنانچہ جتنے اولیا اللہ
سر زمین ہند میں آئے یا یہاں پیدا ہوے وہ باوجود
عالم و فاضل ہونے کے (خواص کو چھوڑ کر) عوام
سے انھیں کی بولی میں بات چیت کرتے اور تعلیم
و تلقین فرماتے تھے - یہ بڑا گُر تھا اور صوفیا اسے
خوب سمجھتے تھے - ہمارے اس بیان کی تصدیق فاضل
شارح اکھروٹی (تصنیف ملک محمد جائسی علیہ الرحمۃ)
کے قول سے بھی ہوتی ہے جس کا اظہار انھوں نے
کتاب کے خاتمہ پر کیا ہے - وہ یہ ہے —

" و توہم نہ کند کہ اولیاء اللہ بغیر از
زبان عربی تکلم نہ کردہ ' زیرا کہ جملہ
اولیاء اللہ در ملک عرب مخصوص بودہ -

بس بہر ملکے کہ بودہ زبان آں ملک را
بکار بردہ اند ۔ و گمان نکنند کہ ' ہیچ
اولیاء اللہ بہ زبان ہندی تکلم کردہ زیرا
کہ اول از جمیع اولیاء اللہ قطب الاقطاب
خواجہ بزرگ معین الحق والملۃ والدین قدس اللہ
سرہ بدین زبان سخن فرمودہ ' بعد ازاں
حضرت خواجہ گنج شکر قدس اللہ سرہ
و حضرت خواجہ گنج شکر در زبان ہندی
و پنجابی بعضے از اشعار نظم فرمودہ
چنانکہ در مردم مشہور اند ۔ اشعار از
دوہرہ و سورٹہ ... و امثال آں نظم نمودہ
ہمچناں ہر یکے از اولیا بدین لسان تکلم
می فرمودند تا کہ عہد خلافت ایشاں با
محقق مدقق * رسید و وے دریں زبان بسیارے
از مصنفات از رسائل و مطولات تصنیف
فرمودہ و یکے از مصنفات وے اکہروتی است "
افسوس کہ باوجود تلاش کے ہمیں حضرت خواجہ
معین الدین چشتی قدس سرہ العزیز کا کوئی معتبر

---

* اس سے مراد ملک محمد جائسی علیہ الرحمۃ ہیں ۔

قول ہندی زبان میں نہیں ملا ' لیکن ان کی عالمگیر مقبولیت کو دیکھتے ہوے یقینی امر ہے کہ وہ ہندی زبان سے ضرور واقف تھے کیونکہ ہندو بھی مسلمانوں سے کم اُن کے معتقد نہیں - " ہندالولی" کی ترکیب ' اور " غریب نواز " کا لقب خود ان کی عام مقبولیت کی صاف شہادت دے رہے ہیں -

البتہ شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہ کے متعدد مقولے ملتے ہیں - مولانا سید مبارک معروف بہ میر خورد سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید و مصاحب خاص تھے ' انھیں کے پاس رہتے اور روزانہ فیض صحبت سے مستفید ہوتے تھے - انھوں نے اپنی تالیف سیر الاولیا * میں حضرت کے اقوال و حالات جو اپنے کانوں سنے اور آنکھوں دیکھے تھے مرتب کرکے لکھے ہیں —

شیخ فریدالدین شکر گنج | اس کتاب میں حضرت شکر گنج کے دو ہندی قول بھی آگئے ہیں وہ ہم عبارت متعلقہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں —

---

* مرتب کردہ و شایع کردہ چرنجی لال مطبوعۂ مطبع محب ہند دہلی —

" منقول است چوں شیخ جمال الدین نقل کرد مادر مومناں* که خادمه شیخ جمال الدین رحمة الله علیها بود، مصلی و عصائے شیخ جمال الدین که از شیخ شیوخ العالم† یافته بود، مولانا برهان الدین صوفی پسر خورد شیخ جمال الدین که پدر شیخ قطب الدین منور بود، درعالم صغر بود، بخدمت شیخ شیوخ العالم برد ۔ شیخ شیوخ العالم بمرحمت مولانا برهان الدین مذکورا تعظیم و تکریم نمود و بشرف ارادت و بیعت خود مشرف گردانید ۔ چند روز بر خود داشت و بوقت مراجعت خلافت نامه و آں مصلی و عصا با نعمتے که مولانا شیخ جمال الدین

---

* شیخ جمال الدین ہانسوی الخطیب حضرت شکر گنج کے محبوب و معظم خلیفہ تھے چنانچہ محض ان کی محبت کی وجہ سے بارہ سال تک ہانسی میں مقیم رہے ۔ شیخ جمال الدین کی ایک کنیز خادمہ تھی جو بہت صالحہ تھی اور ان کے عرایض حضرت شیخ شکر گنج کے پاس لے جایا کرتی تھی۔ حضرت گنج شکر انھیں "مادر مومناں" فرماتے تھے ۔ اسی وقت سے یہ لقب ان کا پڑ گیا ۔

† حضرت شیخ شکر گنج قدس سرہ العزیز سے مراد ہے ۔

روان کردہ بود بمولانا برهان الدین صوفی
بخشید و فرمود چنانچه جمال الدین از
جهت ما مجاز بود تو هم مجازی و این
هم فرمود باید که چند گهے در صحبت
نظام الدین باشی یعنی سلطان المشایخ -
درین محل مادر مومنان بخدمت شیخ
شیوخ العالم عرض داشت کرد بزبان هندی
که "کھوجا بالا هے" یعنی خورد است
این بار گران را طاقت نتواند آورد -
شیخ شیوخ العالم قدس سرہ العزیز فرمود
بزبان هندی "پونوں کا چاند بهی بالا
هے" یعنی شب ماه چهاردهم در اول
شب خورد می باشد که بتدریج به کمال
می رسد" - *

اسی کتاب میں ایک دوسری جگه ایک اور واقعه لکھا هے جس کا ترجمه یہاں لکھا جاتا هے —

شیخ علی صابر ساکن قصبه تیکری ایک بزرگ درویش تھے اور اکثر شیخ شیوخ العالم کی خدمت

---

* سیر الاولیا صفحه ۱۸۲ -

میں حاضر رہتے تھے۔ ان کو شیخ سے اجازت بیعت بھی تھی۔ ایک وقت جب کہ بعض بزرگوں کو جنہیں شیخ نے دولت خلافت سے مشرف کیا تھا، ایک ایک کرکے وداع فرما رہے تھے اور مخصوص وصیتیں کررہے تھے اور ایک ایک شخص ان کے ہمراہ کر رہے تھے، اس اثنا میں شیخ علی صابر نے عرض کی کہ بندہ کے باب میں کیا ارشاد ہے۔ فرمایا " اے صابر برو بھو کہا خواھی کرد " " یعنی ترا عیش خوش خواھد گزشت " ۔ *

جواہرات شاہی میں جو حضرت شاہ عالم کے ملفوظات کا مجموعہ ہے حضرت شکر گنج کا یہ منظوم قول نقل کیا ہے —

اسا کیری یہی سوریت جاؤں ناؤں کہ جاؤں مسیت

اس کے علاوہ حضرت کی بعض نظمیں بھی ملتی ہیں۔ چنانچہ ایک پرانی بیاض میں مجھے یہ نظم دستیاب ہوئی :—

تن دھونے سے دل جو ہوتا پاک
پیش رو اصفیا کے ہوتے غوک

---

* سیرالاولیا صفحہ ۱۸۵ ۔

ربش سبلت سے گر بڑے ہوتے
بوکڑوں* سے نہ کوئی اڑے ہوتے
خاک لانے† سے گر خدا پائیں
گاے بیلاں بھی واصلاں ہو جائیں
گوش گری میں گر خدا ملتا
گوش چوہیاں (ہکذا) کوئی نہ واصل تھا
عشق کا رمز نیارا ہے جز مدد پیر کے نہ چارا ہے

کئی سال ہوے محمد شمیم صاحب تسنوی بہاری کا ایک خط مجھے وصول ہوا جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ کتب خانہ الاصلاح تیسنہ کی ایک قلمی کتاب کی جلد خراب ہوگئی تھی جب اس کی نئی جلد بندھنے کو دی تو جلد کے اندر ایک کاغذ لگا ہوا ملا جس پر حضرت شیخ فرید شکرگنج کی یہ غزل ریختہ لکھی ہوئی تھی:—

وقت سحر وقت مناجات ہے خیز دراں وقت کہ برکات ہے
نفس صبا دا کہ بگوید ترا خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے
باتن‡ تنہا چہ روی زیر زمیں نیک عمل کن کہ وہی سات ہے

---

* بکرے۔ † لگانے۔ ‡ اصل مسودے میں کاتب نے 'باتن' کو 'باطن' اور 'زیر' کو زبن لکھ دیا ہے—

پند شکرگنج که بدل جاں‌شنو   ضایع مکن عمر که هیهات هے

مجھے حضرت کی ایک نظم "جوولنا شیخ فرید شکر گنج" کے نام سے ملی هے یه چار صفحے کا رساله هے - نمونے کے طور پر دو شعر اُس کے لکھتا هوں -—

(سگن ذکر جلی)

جلی یاد کی کرنا هر گھڑی یک تل حضور سوں ٹلنا نیں
اُٹھه بیٹھه میں یاد سوں شاد رهنا گواه دارکو چھوڑ کے چلنا نیں

پاک رکھه توں دل کو غیر ستی آج سائیں فرید کا آوتا هے
قدیم قدیمی کے آرنے سیں لا زوال دولت کوں پاوتا هے

حضرت شیخ شکر گنج کا سنه ولادت ۵۶۹ هجری اور سنه وفات ۶۶۳ هجری هے - حضرت خواجه قطب‌الدین بختیار کاکی کے مرید و خلیفه تھے اور پاک پٹن میں قیام تھا —

شیخ حمیدالدین ناگوری

حضرت شیخ حمیدالدین ناگوری (ولادت ۵۹۰ هجری اور سنه وفت ۶۷۳ هجری) کا ایک واقعه خود اُن کی زبانی سرورالصدور میں یوں لکھا هے —

"شیخ بزرگ (شیخ حمیدالدین ناگوری)

فرمودند اگرچہ جدۂ شما سہب بیاں می کند
و لیکن ہمہ از کرامت است۔ وقتے پیش
ایشاں می گزشتم خورد بودم و ایشاں
برکہٹ بودند ہمیں کہ نزدیک ایشاں
رفتم دست بگرفتند و بزبان ہندی گفتند
می دانی جد تو کیست، گفتم بی بی۔
چگونہ، گفت از جد تو ہیچ کس بجز
پیغمبرش بزرگ نیست " — *

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس زمانے میں ان
بزرگوں کے گھروں میں بھی ہندی بول چال کا
رواج تھا اور چونکہ یہ ان کے مفید مطلب تھا اس
لیے وہ اپنی تعلیم و تلقین میں بھی اسی سے
کام لیتے تھے —

اس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ زبان
جسے ہندی کہتے تھے اور جو باوجود تغیر و تبدل
کے کچھہ مدت قبل تک ہندی کہلاتی ہے اور اب
اُردو کے نام سے موسوم ہے کس طرح ہمارے ملک
میں اندر باہر چھائی ہوئی تھی —

---

* سرورالصدور صفحہ (۲۲۰)

شیخ شرف الدین بو علی قلندر | حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی (وفات سنہ ۷۲۴ ھجری)

بڑے صاحب جلال اور صاحب اثر بزرگ ہوئے ہیں۔ جب علاءالدین خلجی اپنے چچا جلال الدین خلجی کو قتل کرکے تخت و تاج پر قابض ہوا تو اس نے اپنی اس سفاکی پر پردہ ڈالنے کے لیے لشکریوں نیز دوسروں کو اپنی داد و دہش سے خوش کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت اس کے مصاحبوں نے کہا کہ حضرت بو علی قلندر کو خوش کرنا بہت ضروری ہے اگر ان کی نظر آپ کی طرف سے پھری رہی تو رعایا میں ہردلعزیزی حاصل کرنا دشوار ہوگا۔ علاءالدین نے چاہا کہ اپنی طرف سے کسی کو ان کی خدمت میں بھیجے لیکن کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ آخر امیر خسرو اس کام پر متعین ہوئے۔ انھوں نے گا بجا کر حضرت کو خوش کر لیا۔ اس کے بعد حضرت نے بھی اپنا کچھ کلام سنایا جسے سن کر امیر خسرو بہت آبدیدہ ہوئے۔ حضرت نے فرمایا "ترکا کچھ سمجھ دار ہے" امیر خسرو نے کہا اسی لیے تو روتا ہوں کہ کچھ نہیں سمجھتا —

صاحب فرہنگ آصفیہ لکھتے ہیں کہ "ھجری

ساتویں صدی بعہد محمد تغلق شاہ و علاءالدین خلجی جس زبان کا رواج تھا اس کی اس دوھے سے جو حضرت شیخ شرف‌الدین بو علی قلندر صاحب کی زبان مبارک سے مبارز خاں صاحب کے ارادۂ سفر کے موقع پر نکلا تھا ' کیفیت معلوم ھوتی ھے —

سجن سکارے جائیں گے اور نین مرینگے روے
بدھنا ایسی رین کر بھور کدھی نہ ھوے

اسی مضمون کو آپ نے فارسی میں اس طرح ادا کیا ھے —

من شنیدم یار من فردا رود راہ شتاب
یا الہی تا قیامت بر نیاید آفتاب

امیر خسرو | سلطان الاولیا شیخ نظام‌الدین (ولادت سنہ ۶۳۴ ھجری وفات سنہ ۷۲۵ ھجری) سلسلۂ چشتیہ میں عجب صاحب کمال ' وسیع مشرب ' صاحب دل اور صاحب ذوق بزرگ گزرے ھیں۔ ھر ملت و مشرب کے لوگ ان کے ھاں حاضر ھوتے اور ان کے عرفان و زندہ دلی سے فیض پاتے تھے۔ انھوں نے کئی بادشاھوں کا زمانہ دیکھا اور بعض بادشاھوں نے ھر چند یہ چاھا کہ وہ ان کے دربار میں حاضر ھوں اور اس معاملہ میں سختی سے بڑی

پیش آئے مگر شیخ نے مطلق پروا نہ کی اور آخر ان جبار بادشاہوں کو نادم ہونا پڑا اور کسی کی مجال نہ ہوئی کہ ان پر ہاتھہ ڈالے - آپ سماع کے بہت شایق تھے اور ہندی راگ کی بہت سرپرستی فرماتے تھے - ہندوستان کے اکثر اولیاالله نے ہندی موسیقی کو بھی اپنی سرپرستی سے بڑی ترقی دی اور اس میں خاص ذوق اور کمال حاصل کیا - چنانچہ شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی اور شیخ بہاءالدین برناوی وغیرہ اس فن میں بڑے کامل گزرے ہیں - امیر خسرو کو بھی سلطان الاولیا ہی کی درگاہ سے فیض پہنچا تھا - وہ ان کے خاص مریدوں میں سے تھے اور اکثر ان کے نغموں کو سن کر محظوظ ہوتے تھے - امیر خسرو نے موسیقی میں جدتیں دکھائی ہیں اور فارسی اور ہندی موسیقی کو ملایا ہے - اور زیادہ تر غالباً یہی وجہ تھی کہ انھوں نے ہندی میں نظمیں اور دھرے لکھے - افسوس ان کا ہندی کلام اب تک دستیاب نہیں ہوا - تذکروں میں کہیں کہیں بعض چیزیں مل جاتی ہیں - میر تقی میر نے اپنے تذکرہ نکات الشعراء میں اُن کا یہ قطعہ لکھا ہے —

زر گر پسرے چو ماہ پارا کچھ گھڑئیے سنوارئیے پکارا
نقد دل من گرفت و بشکست پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

ریختہ اسی کا نام ہے جس میں فارسی ہندی دونوں ملی ہوئی ہیں اور یہیں سے اردو کی ابتدا ہوتی ہے —

ایک مشہور غزل ریختے کی ان کے نام سے تذکروں میں ملتی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں —

ز حال مسکیں مکن تغافل دو رائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبان ہجراں دراز چوں زلف و روز وصلش چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کوں جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں

اس کے علاوہ بیسوں پہیلیاں انملیاں اور کہہ مکرنیاں وغیرہ ان کے نام سے مشہور ہیں جن کی صحت کا اس وقت کوئی معتبر ذریعہ نہیں —

بالا تھا جب سب کو بھایا
بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اس ناؤں
بوجھے نہیں تو چھوڑو گاؤں (چراغ)

دس ناری ایک هی نر
بستی باهر وا کا گهر
پیٹهه سخت اور پیٹ نرم
منه میٹها تاثیر گرم (خربوزہ)

شیخ سراج الدین عثمان

تاریخ فرشته میں منقول هے که شیخ سراج الدین عثمان معروف به اخی سراج (وفات سنه ۷۵۸ هجری) جو سلطان اولیا کے مرید اور خواجه نصیرالدین چراغ دهلوی کے خلیفه تهے بعد وفات سلطان اولیا بنگاله سے دهلی آئے اور حضرت چراغ دهلی سے خرقهٔ خلافت حاصل کیا - خواجه نے فرمایا که بنگاله جاؤ - انهوں نے کہا وهاں پهلے سے شیخ علاءالدین قل موجود هیں اور مرجع خلائق هیں - وهاں میرے جانے کی کیا ضرورت هے - اس پر خواجه صاحب نے فرمایا " تم اوپر وہ تل " —

شیخ شرف الدین یحیٰی منیری

اسی زمانے کے ایک بزرگ اور صوفی کامل شیخ شرف الدین یحیٰی منیری هیں (ولادت سنه ۶۶۲ هجری وفات سنه ۷۸۲ هجری) منیر بہار کا ایک قصبه هے اور اسی سے منسوب هیں - پوربی اور هندی بهاشا کے شاعر

تھے - اب تک ان کے بتائے ہوئے بعض منتر سانپ بچھو اور سایہ کے اتارنے اور دفع امراض اور جھاڑ پھونک کے لیے پڑھتے ہیں جن کے آخر میں ان کی دھائی ہوتی ہے - پروفیسر شیرانی نے اپنی کتاب میں مولوی محبوب عالم صاحب کی بیاض سے ایک کچھ سندرہ نقل کیا ہے - میرے ایک دوست کو بھی اسی قسم کا سانپ کے زہر اتارنے کا منتر یاد ہے اور وہ اس کے عامل ہیں۔ اسی قسم کی عبارت ہے اور وہی شاہ صاحب کی دھائی ہے - ان منتروں اور کچھ سندروں سے اس زمانے کی پوربی بولی کا کچھہ یوں ہی سا اندازہ ہوتا ہے البتہ اس میں دو دھرے آگئے ہیں وہ ضرور قابل لحاظ ہیں - وہ یہ ہیں —

کالا ھنسا نہ ملا بسے سمند ر تیر
پنکھہ پسارے بکہ ہرے نرمل کرے سریر
درد رہے نہ پیر

شرت حرت مائل کہیں درد کچھہ نہ بسائے
گرد چیونٹیں دربار کی سو درد دور ہوجائے

حضرت شاہ برہان الدین غریب | حضرت نظام الدین اولیا کا فیض ہندوستان میں دور دور پہنچا ہے - حضرت شاہ برہان الدین (وفات سنہ ۷۳۸ ہجری)

جو برہان الدین غریب کے نام سے مشہور ہیں آپ کے اکابر خلفا میں سے ہیں ۔ جس وقت سلطان محمد تغلق نے دولت آباد کو ہندوستان کا دارالسلطنت بنایا اور ساری دلی کو اجاڑ کر یہاں لا بسایا ، تو اس وقت شیخ برہان الدین اور سلطانجی کے بہت سے خلفاء و مریدین دولت آباد آئے ۔ دکن کی خلافت شیخ برہان الدین اور ان کے بڑے بھائی منتجب الدین کو عطا ہوئی ۔ یہ لوگ یہیں رہ گئے اور یہیں انھوں نے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا ـــ

حضرت سید علاء الدین ضیا چشتی (دولت آبادی) کے احوال میں یہ منقول ہے کہ جب سلطان جی نے حضرت برہان الدین غریب کو دکن جانے کا حکم دیا تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ " میری پیر زادی دولت آباد میں قیام فرما ہیں ان کی خدمت میں سرگرم رہنا "۔ اس سے مراد حضرت بیوی عائشہ بابا فرید شکر گنج کی صاحبزادی ہیں ۔ آپ ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ۔ بیوی عائشہ کی ایک بیٹی تھیں جو بہت بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں ۔ ایک بار جو آپ حسب معمول بعد نماز جمعہ حاضر ہوئے تو ان کی نگاہ

اس لڑکی پر پڑی اور ان کو دیکھہ کر متبسم ہوے ۔
بیوی عائشہ نے بہ زبان ملتانی فرمایا —
" اے برھان الدین! ساڑی دھیہ کہ کہیا ھنسدا ھے "
یعنی اے برھان الدین! تو ھماری لڑکی کو دیکھہ کر کیوں ھنستا ھے۔
اس سے ظاہر ھے کہ یہ بزرگ مقامی اور وطنی بولیوں کو بلا تکلف بولتے تھے اور اس کے استعمال سے کبھی عار نہ کرتے تھے بلکہ ان کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ضروری سمجھتے تھے —

حضرت گیسو دراز بندہ نواز

سلطانجی کا فیض دکن میں ایک اور ذریعہ سے بھی پہنچا ھے۔ حضرت کے بہت بڑے خلیفہ اور جانشین شیخ نصیرالدین چراغ دھلی تھے۔ سلطانجی انھیں بوجہ کثرت فضل و دانش " گنج معانی " کہا کرتے تھے۔ انھیں کے خلیفہ و مرید سید محمد ابن یوسف الحسنی الدھلوی (وفات سنہ ۸۲۵ ھجری) تھے جو گیسو دراز کے لقب سے مشہور ھیں۔ یہ اپنے پیر و مرشد کی وفات کے بعد جب (سنہ ۸۰۱ ھجری میں) گجرات کے رستے مختلف مقامات سے ھوتے ھوے دکن روانہ ھوے تو شیخ نصیرالدین چراغ دھلی کے بہت سے مرید ان کے ھمراہ ھو لیے اور اس قافلے کے ساتھہ

سنہ ۸۱۵ ھجری میں حوالیٔ حسن آباد گلبرگہ میں فایز ہوے۔ وہ زمانہ فیروز شاہ بہمنی کا تھا۔ بادشاہ کو جب فیروز آباد میں آپ کے آنے کی خبر ہوئی تو تمام ارکان و امرائے دولت اور اپنی اولاد کو ان کے استقبال کے لیے بھیجا۔ بادشاہ کا بھائی احمد خاں خانخاناں جو بعد میں اس کا جانشین ہوا ان کا بہت بڑا معتقد ہوگیا تھا۔ آپ نے اپنی بقیہ زندگی یہیں بسر کی اور سر زمین دکن کو اپنی تعلیم و تلقین سے فیض پہنچاتے رہے۔

حضرت صاحب علم و فضل اور صاحب تصانیف بھی ہیں۔ آپ کا معمول تھا کہ نماز ظہر کے بعد طلبہ اور مریدوں کو حدیث اور تصوف اور سلوک کا درس دیا کرتے تھے اور گاہے گاہے درس میں کلام و فقہ کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔ جو لوگ عربی فارسی سے واقف نہ تھے اُن کے سمجھانے کے لیے ہندی زبان میں تقریر فرماتے تھے۔

مجھے ایک قدیم بیاض ملی ہے جس میں بیجاپور کے مشہور صوفی خاندان کے بزرگوں کے نظم و نثر کے رسالے اور اقوال جو زیادہ تر ہندی یعنی قدیم اردو میں ہیں، اسی خاندان کے کسی معتقد

نے بڑے اہتمام و احتیاط سے جمع کیے ہیں ۔ اس کا سنہ کتابت ۱۰۶۸ ہجری ہے ۔ چونکہ اس خاندان کے بزرگوں کو حضرت بندہ نواز گیسو دراز سے نسبت ہے اس لیے ان کا بھی ایک آدھ رسالہ اور بعض اقوال وغیرہ اس میں پاے جاتے ہیں ۔ منجملہ ان کے ایک مثلث بھی ہے جو یہاں نقل کیا جاتا ہے —

او معشوق بے مثال نور نبی نہ پایا
اور نور نبی رسول کا میرے جیو میں بھایا
اپسیں اپیں دیکھا و نے کیسی آرسی لا یا

حضرت گیسو دراز صاحب تصانیف کثیرہ تھے ' یہ زیادہ تر فارسی میں ہیں اور بعض عربی میں ۔ یہ بھی مشہور ہے کہ انھوں نے عام لوگوں کی تلقین کے لیے بعض رسالے اپنی زبان میں بھی لکھے ۔ ان کا ایک رسالہ " معراج العاشقین " میں مرتب کر کے شایع کر چکا ہوں ۔ اس کا سنہ کتابت ۹۰۶ ہجری ہے ۔ اس کی زبان کا نمونہ یہ ہے —

" اے عزیز ! اللہ بندہ پنا یہاں پچھان کو جانا ' نیں تو شرع جاتا ہے ۔ اول اپنی پچھانت بعد از خدا کی پچھانت کرنا " ۔

"انسان کے بوجنے کوں پانچ تن۔ ہر ایک تن کوں پانچ دروازے ہیں ہور پانچ دربان ہیں۔ پہلا تن واجب الوجود، مقام اس کا شیطانی۔ نفس اس کا امارہ یعنے واجب کی آنک سوں غیر نہ دیکھنا سو۔ حرص کے کان سوں غیر نہ سننا سو، حسد نک سوں بد بوئی نا لینا سو، بغض کی زبان سوں بد گوئی نہ کرنا سو، کینا کی شہوت کوں غیر جاگا خرچنا سو۔ پیر طبیب کامل ہونا، نبض پہچان کوں دوا دینا" —

علاوہ اس رسالے کے میرے پاس آپ کے متعدد اور رسالے اس زبان میں ہیں 'تلاوت الوجود' 'درالاسرار' شکار نامہ' تمثیل نامہ' ہشت مسایل وغیرہ۔ اگرچہ زبان ان کی قدیم ہے لیکن یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ انہیں کی تصنیف ہیں یا اُن سے منسوب ہیں۔ بیاض مکتوبہ ۱۰۲۸ھ کے علاوہ دو اور بیاضوں میں ان کی ایک غزل قدیم طرز ریختہ میں ملی ہے جس کی نسبت یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہیں کی ہے۔ البتہ مقطع میں تخلص انہیں کا ہے۔ وہ یہ ہے —

توں تو صحی ہے لشکری کر نفس گھوڑا سارتوں
ہوے نرم نہ تجھ اوچڑے پس کھایگا آزار توں
سختپچ گھوڑا زور ہے خود خیال اس کا ہو رہے
تن لو تلے کا چور ہے نہ چھوڑ اس بہ تہارتوں
گھوڑے کوں بہیتر کھوڑ ہے اس‌کوں نہ حکمت ہورہے
ہر دم ذکر سوں توڑ ہے غافل نہ ہو ہشیار توں
کر دسکلا دل کیان کا انعام دے خوش دھیان کا
چارا کھلا ایمان کا رکھ باند اپنے دار توں
خوگیر شریعت نعل بند زین ہے طریقت زیر بند
حق ہے حقیقت پیش بند تلکہ معرفت اختیار توں
دوہے رکاباں نیک بد رکھنا قدم توں دیکھ حد
کچھ ہو پڑے کا دیکھ تب توبہ کی چابک مار توں
تب قید گھوڑا آےگا تجھ لا مکاں لے جاے گا
تب عشق جھگڑا پاے گا خد مار لے تروار توں
شہباز حسینی کھوے کر ہردو جہان دل دھویکر
اللہ آپے یک ہوے کر تب پاوے گا دیدار توں

یہ صوفی بزرگ ہندوستان کے ہر صوبے اور خطے میں پھیلے ہوئے تھے۔اسی زمانے کے قریب ہم گجرات میں حضرت قطب عالم اور حضرت شاہ عالم کے نام پاتے ہیں جو وہاں مرجع خلایق تھے ـــ

حضرت قطب عالم و حضرت شاہ عالم	سید برہان الدین ابو محمد عبداللہ المشہور بہ قطب عالم ابن سید

ناصر الدین ابن سید الاقطاب مخدوم جہانیاں بخاری سنہ ۷۹۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور سنہ ۸۵۰ ہجری میں وفات پاگئے - دس سال کی عمر میں والد کا انتقال ہوگیا - ان کے حقیقی چچا اور مخدوم جہانیاں کے مرید و خلیفہ سید راجو قتال ان کی پرورش و تربیت کے متکفل ہوئے - دو سال بعد سنہ ۸۰۳ ہجری میں اپنی والدہ کے پاس پٹن میں آگئے - سلطان احمد گجرات کا بادشاہ ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتا تھا - اور جب اس نے احمد آباد بسایا تو پٹن سے احمد آباد آگئے - بعد ازاں موضع بٹوہ میں قیام فرمایا اور وہیں انتقال کیا - اس موضع کے قیام کے زمانے کا ذکر ہے کہ ایک روز شب کو نماز تہجد کے لیے اُٹھے ، صحن میں ایک لکڑی پڑی ہوئی تھی اس سے ٹھوکر لگی ، پانوں میں چوٹ آئی اور خون بہنے لگا - اس وقت آپ کی زبان سے یہ کلمہ نکلا "لوہا ہے کہ لکڑی ہے کہ پتھر ہے" * -

ایک دوسرا واقعہ یوں مذکور ہے کہ جب

---

* تحفۃ الکرام صفحہ (۱۷) -

آپ کے فرزند سید شاہ محمود معروف بہ شاہ بڈہ کے ہاں شاہ راجو پیدا ہوے (جو اپنے اور بھائیوں سے چھوٹے تھے) تو جس وقت ان کے تولد کی خبر آپ کو پہنچی تو شاہ محمود سے جو سامنے بیٹھے تھے فرمایا "بھائی محمود خوش ہو اساں تہیں وڈا تساں تہیں وڈا اسانڈے گھر جلال جہانیاں آیا" † -

ان کے فرزند اور خلیفہ حضرت شاہ عالم فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت قطب عالم کے حجرہ مشغولی میں جا پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ سخت بے چین اور مضطرب ہیں اور دیوار پکڑے سارے حجرے میں پھر رہے ہیں اور یہ ہندی کلمات زبان پر جاری ہیں —

"محمد پر میں کھڑیا سائیں پریم چکھاے"

(جمعات شاہیہ) —

حضرت سراج الدین ابوالبرکات سید محمد مشہور بہ شاہ عالم حضرت شاہ قطب عالم کے فرزند اور خلیفہ تھے ان کے ایک مرید نے ان کے اقوال و ملفوظات ایک

---

† تحفۃ الکرام صفحہ (۱۸) -

کتاب میں جمع کئے ہیں جس کا نام جمعات شاہی ہے - اس میں حضرت قطب عالم و شاہ عالم وغیرہ کے متعدد اقوال ہندی اور گجراتی میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے چند نقل کئے جاتے ہیں۔ ایک موقع پر فرمایا —

(۱) کاندھی کا راجا تم سر کوئی نبوجھے
سکیں کا راجا تم سر کوئی نبوجھے

فرمودند اگرچہ بزبان ہندی است اما موافق عربی است —

(۲) ایک روز فرمایا کہ حضرت قطبیہ کے عہد میں میرے سر پر کچھہ دیوانگی سی سوار تھی جو کوئی کچھہ سوال کرتا تو خدا سے دعا کرتا اور ہر ایک کا حال برملا کہہ دیتا - کسی سے کہتا کہ تیری عمر اس قدر باقی ہے کسی سے کہتا تیرے بیٹا ہوگا اور کسی سے کچھہ کسی سے کچھہ - فرماتے ہیں کہ بعد وصال حضرت قطبیہ (قطب عالم) نے یہ بات میرے دل میں ڈالی —

"ایے چھو کرا' بے ادبی بگذار و گستاخی مکن"

فرماتے ہیں کہ کسی نے ذکر کیا کہ ستہ یہ میں خدا کا نام نہیں لینا چھٹے میں نے آہستہ

سے کہا کہ اس کا کیا کروں حق تعالیٰ خود مجھے نہیں چھوڑتا - بادشاہ گھوڑے پر سے نہیں اُترتا گھوڑا بچارا کیا کرے —

ایتو بدو بر بھو یا کیں اکہارے
هوں لاج سروں بیگ نیار و نہوے

ایک روز حضرت شاہ عالم گھوڑ بہل میں سوار جا رہے تھے اور میاں مخدوم شاہ (احمد) بھی همرکاب تھے - سلطان شاہ غزنی قدس سرہ جو سلاطین گجرات کے اعزہ میں سے تھے گھوڑے پر سے اترے اور نہ سلام آداب کیا - میاں مخدوم نے کہا کہ حضرت آپ نے اس جوان کے غرور و کبر کو ملاحظہ فرمایا - آپ نے هندی زبان میں ارشاد کیا —

"ارجن جی کا او نہ بہایا هوے تو تجھہ
سے فقیروں کی بوسوں تیں کدّاسی کرے" * -

ایک روز سیدہ محمدہ را جو قتال کے مناقب کا ذکر آیا - یہ سیدالاقطاب مخدوم جہانیاں کے چھوٹے بھائی اور حضرت قطب عالم کے چچا تھے - ان کی والدہ کا نام جلت خاتون تھا - حضرت مخدومیہ نے ان کے حق میں زبان اُچہ میں فرمایا —

---

* تحفۃ الکرام صفحہ ۴۱ -

"تسان راجے اساں خواجے"

یعنے

تم بادشاہ اور ہم وزیر

حضرت سید محمد جونپوری

حضرت سید محمد جونپوری بہت بڑے بزرگ اور صاحب تصرت گزرے ہیں۔ ان کے مرید اور پیرو انہیں "مہدی آخرالزماں" مانتے ہیں۔ لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے ان کا بہت سا زمانہ سیاحت میں گزرا۔ ان کے بعض اقوال فرقہ مہدویہ کی کتابوں میں اب تک محفوظ ہیں۔ ان میں سے چند یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ باوجود علم و فضل کے وہ اکثر ہندی یا گجراتی میں مخاطبت فرماتے تھے —

(۱) شیخ احمد کھٹو * کی نسبت آپ نے فرمایا "رو پیٹنے خدا کوں پونچے" (یعنے بہ گریہ و زاری خدا رسید) (از تاریخ سلیمانی جلد اول) —

---

* احمد کھٹو مشہور بہ گنج بخش بہت بڑے بزرگ اور شیخ وقت گزرے ہیں۔ سنہ ۲۰۱ ہجری میں بعہد حکومت مظفر خاں گجرات میں آئے سنہ ۸۴۹ ہجری میں انتقال فرمایا۔ موضع کھٹو میں مدفون ہیں۔ (تحفۃالکرام صفحہ ۲۲ - مرآۃ احمدی صفحہ ۵۰) —

(۲) خراسان کے سفر میں سلطان حسین کی فوج نے آپ کے اصحاب کو تکلیف دی اور جب سلطان کو اس کی خبر پہنچی تو اس کی معذرت کی۔ اس وقت سلطان کے سفیر کے سامنے یہ جملہ فرمایا
" شہ کی چوٹ شکر کی پوٹ "

(۳) حج کے سفر میں یہ دوہرا فرمایا ـــ

ہوں بلہاری سجنا ہوں بلہار
ہوں سر جن سہرا ساجن مجھہ گل ہار

(از شواہدالولایت)

(۴) رحلت سے کچھہ پہلے یہ دوہرا ارشاد کیا ـ

ھیر وقت * پکہال توں کان پر دھوے مدھوے
او جوں ہو ویں نچھوت سی سکھہ نندری نا سوے

یہی دوہرہ بیدر میں قاضی علاءالدین بیدری کو مخاطب کر کے فرمایا تھا (شواہدالولایت)

(۵) - (۶) ذیل کے دو دھرے مجھے اسرار عشق تصنیف مومن (۱۰۹۱) کے ایک قدیم نسخہ میں ملے ہیں ۔ جس کے سر ورق یہ عبارت درج ہے ـــ

" ایں کتاب مسمی با اسرار عشق محض ابتدا تا انتہا شرح نقل مقدسہ سید محمد

* (ھرآنت)

مہدی موعود است و سوائے این حرف
نیست ۔ نقل اینست کہ مہدی علیہ اسلام
فرمود " تمام عالم مصطفیٰ کے ولایت کا
صفت کرنے بیچ ہوا ۔ ہمارے ملانے دو کو جری
دھیاں میں مصطفیٰ کی ولایت کی صفت کیے "

دوھرہ

چندر کہے تر این * کوں سورج دیکھو آئے
ایسا بھگونت جو بھیٹے دشت پاپ چھر جائے

دوھرہ دیگر —

تو روپ دیکھہ جگ موھیا چند تر این * بھاں
اتہیں روپ یہاں ھوویں کو وھی نہ ھوے آن

این تمام کتاب شرح و تفسیر ھمیں دو
دوھرھا است —

آپ کی ولادت سنہ ۸۴۷ ھجری اور وفات سنہ
۹۱۰ ھجری میں بہ مقام فراہ (بلوچستان) واقع
ہوئی وھیں مدفون ھوے —

شیخ بہاءالدین باجن	شیخ بہاءالدین باجن (ولادت سنہ ۷۹۰ ھجری وفت سنہ ۹۱۲ ھجری)

برھان پور کے اولیاء اللہ میں سے ھیں ۔ شیخ عزیزاللہ المتوکل

* (نسخہ) تراس —

علی اللہ کے مرید تھے ۔ آپ کی ایک کتاب " خزانۂ رحمت " ہے جس میں اپنے مرشد کے ملفوظات اور ارشادات جمع کئے ہیں - بقول صاحب تاریخ برہان پور " اُس زمانے میں جو ملک ہند کی طرز زبان تھی اس طور پر کلمات شعر بہ مضمون تصوف کبھی کبھی موزوں فرماتے تھے " ...... از آنجملہ یہ ہے پردۂ پوربی میں -

یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے
مندل من میں دھمکے ربابؔ رنگ میں جھمکے
صوفی ان پر تھمکے
یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے

پروفیسر شیرانی نے ان کے متعدد اشعار لکھے ہیں ۔ ان میں دو ایک یہاں نقل کئے جاتے ہیں -

یہ فتنی کیا کسی سے ملتی ہے جب ملتی ہے تب چھلتی ہے
اوں آن چھل بہت چھلا ئے آن چھو ہری بھتی کھائے
آن رو کر بہت رلا ئے
یہ فتنی کیا کسی سے ملتی ہے جب ملتی ہے تب چھلتی ہے

محمد سرور پریم کا رحمت اللہ بھریا
باجن جیوڑا وار کر سر آگیں دھریا

روزے دھر دھر نماز گذاری دیدی فرض زکوٰۃ
بن فضل تیرے چھوٹنگ نا ھیں آ کیں مکھ میں بات

شیخ عبدالقدوس گنگوھی۔

شیخ عبدالقدوس گنگوھی (ولادت سنہ ۸۶۰ ھجری وفات سنہ ۹۴۵ ھجری) شیخ محمد بن شیخ احمد عبدالحق چشتی صابری کے مرید اور صاحب تصانیف کثیرہ ھیں۔ وہ ھندی کے شاعر تھے اور الکھ داس تخلص کرتے تھے۔ پروفیسر شیرانی نے اپنی کتاب "پنجاب میں اردو" میں ان کے کلام کا نمونہ دیا ھے۔ اس میں سے یہ چند شعر نقل کئے جاتے ھیں۔

دھن کارن پی آپ سنوارا بن دھن سکیں کنت کنوارا
شہ کوپلے دھن مانہیں ایواں باس پھول میں اچھے جیواں
کیوں نہ کوپلوں تیج سنگ میتا مجھ کارن تیں اپتا کیتا
الکھ داس آکھے سن سوئی سوٹی پاک ارند پھن سوئی

جدھر دیکھوں ھے سکھی دیکھوں اور نکوئی
دیکھا بوجھ بچار منہ سبھی آ بہیں سوئی

حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری۔

حضرت شاہ محمد غوث بہت بڑے بزرگ اور اہل اللہ میں تھے شیخ وجیہ الدین جیسے بلند پایہ عالم اور شیخ بھی ان سے ارادت رکھتے تھے اگرچہ وہ مرید شاہ قادن تھے مگر فیض روحانی انہیں شاہ محمد غوث ھی سے حاصل ھوا۔ مقصود المراد (ملفوظات سید ھاشم علوی) میں خود شاہ ھاشم (جو شیخ وجیہ الدین کے بھتیجے ھیں) کی زبانی یہ لکھا ھے کہ شاہ وجیہ الدین کی تربیت حضرت شاہ محمد غوث نے فرمائي اور علم حقایق سکھایا اور باوجودیکہ انہوں نے بائیس سال کی عمر میں ایک سو بیس علم تحصیل کئے لیکن خود شاہ صاحب (شاہ وجیہ الدین) فرماتے تھے اگر میں شیخ سے ملاقات نہ کرتا تو میں مسلمان نہ ھوتا اور پھر فرمایا کہ جو معرفت الله تمام عمر میں حاصل نہوئي تھی وہ ایک شب میں حاصل ھوگئی ــ

اس کتاب میں شاہ صاحب کا ایک ھندي قول سید شاہ ھاشم کی زبانی بیان کیا گیا ھے ــ

"بھیکی بھیک خدا کو نہ میلے"

یعنی بھکاری کو خدا نہیں ملتا ان کے بعض اور اقوال اور ھندی اشعار بھی میری نظر سے گزرے ھیں جنکو

میں وقت کی تنگی کی وجہ سے اس وقت تلاش نہیں کرسکا ۔

حضرت کا انتقال سنہ ۹۷۰ ھجری میں آگرہ میں ہوا، گوالیار میں دفن ہوئے ۔ آپ کی عمر بقول بدایونی وفات کے وقت اسی سال کی تھی ۔

شیخ وجیہ الدین احمد علوی ۔

شیخ وجیہ الدین احمد العلوی قدس سرہ بہت بڑے عالم اور صاحب باطن ہوے ہیں ۔ صاحب تصانیف ہیں ۔ سنہ ۹۱۰ ھجری میں محمد آباد (جانپانیر) میں پیدا ہوے اور سنہ ۹۹۸ ھجری میں انتقال فرمایا ۔ آخر عمر احمد آباد میں درس و تدریس اور تعلیم و تلقین میں مصروف رہے۔ اگرچہ وہ اور ان کے خاندان کے دوسرے بزرگ شاہ قاذن کے مرید تھے لیکن فیض روحانی اور معرفت الہی شیخ محمد غوث سے حاصل ہوئی ۔ آپ کے مریدوں نے آپ کے ملفوظات کتاب کی صورت میں جمع کئے ہیں جس کا نام بحرالحقایق ہے ۔ اس میں جگہ جگہ ان کے ہندی اقوال درج ہیں ۔ شیخ کے مرید ان سے سوال کرتے ہیں اور وہ اس کا جواب دیتے ہیں ۔ سوال تو فارسی میں لکھے ہیں لیکن جواب خود شیخ ہی کے الفاظ میں ہندی میں تحریر کئے ہیں ۔ یہاں چند مقام نقل کئے جاتے ہیں ۔

لفظ ، فرمودند کہ "جس چیز میں ذوق و شوق پاوے اوسے ترک نہ دیوے" یعنی در آں چیز یکہ صوفی ذوق و شوق یابد آں چیز را ترک ندهد۔ شخص گفت اگر آں چیز متفق الحرمت باشد چہ کند از و اعراض نمودہ فرمودند "بھونتا ہوئیے سونا کرے"

لفظ ، عزیزے عرض کرد۔ بخانۂ دنیا داراں نروم۔ فرمودند۔

"کا ھے دنیا دار بھی اپنیچ" یعنی اهل دنیا نیز از ماآند۔

لفظ ، می فرمودند۔ طالب کشف نباید شد ـ

"اپنوں کوں کیا کشف ہوے یا نہوے کام اس کا ھے"

در حکایت کردن فرمودند "کیا ھوا جو بھوکوں موا۔ بھوکوں موے تیں کیا خدا کوں انپڑیا ، خدا کوں انپڑنے کی استعداد ھو رھے"۔

لفظ ، کسے از ریاضت عرض کرد ، فرمودند "میں کہاں یا کدھاں ریاضت کیتی" —

لفظ ، فرمودند "جیسی تجلی پکڑے تیسا ارادہ دیوے اگر عبد کی تجلی پکڑے عبدیت ارادہ دیوے" ۔

شیخ بہاأالدین برناوی خاتم التارکین

شیخ بہاأالدین برناوی خاتم التارکین اکبر و جہانگیر کے عہد کے بزرگ ھیں۔ ھندوستان کے مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کی۔

موسیقی کے دلدادہ تھے اور خود اس فن میں بڑا کمال رکھتے تھے - بلکہ بعض چیزوں کے موجد ہوے ہیں - پروفیسر شیرانی نے اُن کے حالات اور ان کا کلام کتاب چشتیہ تصنیف مخدوم علاء الدین ثانی سے نقل کیا ھے - وہیں سے ان کے کلام کا یہ نمونہ درج کیا جاتا ھے -

ان نینن کا یہی بسیکہ
ہوں تجہ دیکھوں توں منجہ دیکہ

خواجہ خضر کے حق میں کہا ھے —

دائم حیات کائم کرامات ملاکات نعمت پاؤ نہم
ندی تیر درم بہاری بھیر پھرت سرہت ہوتیاں تیاریر: پرم
رحم کیجیے کرپا تہیں دیجیے کا کہوں زاوری —
تم کھواجہ* کھدروت ÷ مہتر الیاس رہ دور پاس یاجگت اکم ‡

سید شاہ ہاشم حسنی العلوی

سید شاہ ہاشم حسنی العلوی بن قاضی برھان الدین بن قاضی نصراللہ بن قاضی عماد الدین بہت بڑے بزرگ ہوے ہیں - قاضی برھان الدین اور شاہ وجیہ الدین دونوں قاضی

---

* خواجہ -
÷ خضر -
‡ جو نہ مل سکے -

نصراللہ کے بیٹے تھے۔ شاہ وجیہ الدین سب سے بڑے تھے اور قاضی برہان الدین سب سے چھوٹے۔ آپ نے سنہ ۱۰۵۹ ھجری میں انتقال فرمایا، آپ کے ایک مرید حاضر باش شاہ مراد ابن سید جلال نے آپ کے تمام اقوال و حالات جو شاہ صاحب کی زبانی وقتاً فوقتاً سنے ایک کتاب کی صورت میں جمع کر دئیے ہیں۔ جس کا نام انہوں نے "مقصود المراد" رکھا ہے۔ اس میں جا بجا کثرت سے شاہ صاحب کے ہندی اقوال و ابیات اور نظمیں بھی موجود ہیں جو انہوں نے خود شاہ صاحب کی زبانی سنکر قلمبند کی ہیں، ان میں سے چند یہاں نقل کی جاتی ہیں —

نکتہ :—

ہاشم جی چھولاں * لہر پیویں و حدت کے بحر
ہو ویں متوالے سحر ڈنی † جوں قاتل زہر

سید شاہ ہاشم اپنے چچا زاد بھائی میاں عبداللہ ابن شاہ وجیہ الدین کی خدمت میں بغرض بیعت و ارادت حاضر ہوے، میاں صاحب نے فرمایا بیٹھو

* موجیں —
† دنیا —

آپ نے کہا میں تو خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ انھوں نے کہا تم میرے بھائی ہو میں تم سے کیسے خدمت لے سکتا ہوں، آپ نے کہا میں تو اسی نیت سے حاضر ہوا ہوں اور برابر دست بستہ حاضر رہے۔ چند روز کے بعد شب کو انھوں نے دیکھا کہ حضرت میاں شاہ عبداللہ فرما رہے ہیں کہ مجھ میں جو کچھ ہے وہ میں نے تجھے بخشا اور یہ پانچ شغل جس طرح کہ میں کہتا ہوں تم کرو۔ اس واقعہ اور ان اشغال کو شاہ ہاشم نے اس طرح نظم میں ادا کیا ہے —

ھنس ھنس سپنے کھیا نا نہاں
دیوں تجی سب جے منج ما نہاں
میں بی نم نم* سر کو لیتا
کیوں نلیو جو دیوے میتا
پانچ شغل مکھ آکہیں سائیں
جیوں رے کہوں ہوں چلن توانہیں
شغل تکفینا کھیا پیو
ندیا بڑا یک جانے جیو

---

* جھکانا —

جیها لو ڑے آپس توں
تیها لو ڑے ساروں کوں
تن مئه اپنی صورت ڈیکهه
آپس تهیں کوی جوا نایکهه
شغل الهی کی حد جان
بی ٹی بولو جیو نه آن
پالو بی تن مت ابهرائے
هاشم جی پیو یوں سمجهائے
تهی دو شنبه کیری رات
شاه عبدالله آکهی بات

نکته :—

اے دنیا کے لوک کیڑے مکوڑے
گهیو شهد پر دوڑاتے گهوڑے
تو بتیے بہت نکلتے تهوڑے

نکته :—

نامنج زن نامنج فرزند
نامنج بهائی نامنج بند
هاشمی پیو سوں سند*

---

* ملنا –

نکتہ :-

پہلوانوں پہلی شرط یہ
نلائیں پہلو بھوئیں وہ
ہاشمی جیتّے مدماتے بہاری
علوی لوتیں دن راتیں ساری

نکتہ :-

انما الاعمال بالنیات
نہیں عمل مگر نیت سوں بات
جو ایسی نیت دیوے ہات
نولا سیاں † کھیلوں شہ کے سات

جکری :-

کہیو ہو چک میرے پیو
بہوت دنن کا الجا جیو
بادر کوپ گہتا کر آوے
تل دھارن ‡ کوہجی کوتی کیجاوے
مور چکارے ہے بن ماتی
پسو پکی سب تیرے راتی

---

† رانگ رلیاں -
‡ ذرا -

کٹی کٹی یہا نتو بہاؤ دکھا تے
کہیو ھو چک سرے پئیو
بہوت دنن کا اُلجا جیو
بھر بھوئی رنگ رت * سیری
وے رت آوے سو دھن کیری
بہور پیا گور آؤ سویرے
کہیو ھو چک سیرے پئیو
بہوت دنن کا اُلجا جیو
نین ھمارے نس دن روو ے
میت بنا کہو کیوں جنم کھو وے
ھاشم جی سک ھووے تب سکوہ میتا جو وے
کہیو ھو چک سرے پئیو
بہوت دنن کا الجا جیو

جکری :—

جاے کہو یک تل آ ے پیا سکتا جیو دھسکتا ھیا
لا الہ نفی الاالله اثبات محمد برحق بلاسیم احمد ذات
جاے کہو ایک ....
نفی کل ھوا مانوں تو کل اثبات ھووے جو

---

* سرخ رنگ

ہاشمی رخسار پھڑکتے علوی دھڑکتا ہے جیو
اب آنے کی ہے بدھائی پیو جائے کہو ....

نکتہ :-

یہی حجت ہے بس ہموں کوں
جس تھیں اپیا سب مدہ توں توں
پھر باطن تھیں ظاہر آیا
پن ہاں نکتہ واحد لیا یا
ہوا یکا یک آپ دکھایا
اتھیں راز پیا کا بوجھا
تن من مدہ جب سائیں سوجھا
ہے توں ہوں ہوں روں روں سانہاں
ایک الف ہو آیتا نہاں
کرنا بھاؤ سوتیا نیہں تھانہاں

دوں تھیں نور ظہور ہو آیا پانچ حرفوں نکلا لیا یا
کر کر لکھے آپ دکھایا

اب تک میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان صوفی اور اہل اللہ جو ہدایت اور تلقین پر مامور تھے اور جن کا اثر اس ملک پر بہت بڑا تھا وہ سب ہندی جانتے تھے۔ چنانچہ اس بیان کی تصدیق

میں ان کے اقوال و ابیات اور نظمیں جو اُن کے ملفوظات یا بعض تاریخوں میں ضمناً یا محض اتفاقی طور پر آگئی ھیں پیش کی گئی ھیں - ان اقوال و ابیات میں سے بعض خالص ھندی میں ھیں اور بعض ایسی ھندی میں جو عربی فارسی الفاظ یا ترکیبوں سے مخلوط ھے۔ اب میں اُن بزرگوں اور صوفیا کا ذکر کرتا ھوں جو ھندی یا مخلوط ھندی یا ریختے میں صاحب تصانیف ھوے ھیں - جن حضرات کا ذکر اس سے قبل ھوا ھے ممکن ھے کہ ان میں بھی بعض نے ھندی یا مخلوط ھندی میں رسالے یا کتابیں یا مسلسل نظمیں لکھی ھوں ' لیکن ان کی تصانیف (اگر در حقیقت کچھہ تھیں) اس وقت تک دستیاب نہیں ھوئیں - اب اس کے بعد میں اُن صوفیا اور اھل اللہ کا ذکر کروں گا جن کا کلام دستیاب ھوچکا ھے اور میرے پاس موجود ھے -

افسوس ھے کہ اب تک حضرت امیر خسرو کے ھندی کلام کا سراغ نہیں لگا اور جب تک نہیں ملے گا اس کا افسوس رھے گا - اس میں ذرا شک نہیں کہ وہ ھندی زبان کے ماھر تھے - اور ھندی میں ان کا کلام موجود تھا جس کا اعتراف خود انھوں

نے اپنے دیوان کے دیباچے میں کیا ھے - اگر کبھی
ان کا ھندی کلام ملا تو اس وقت اس کی پوری
کیفیت اور حیقیقت معلوم ھوگی - فی الحال جو متفرق
کلام تذکروں میں ' بیاضوں میں یا جو لوگوں کے
زبانوں پر ھے اس کے چند نمونے نقل کردیے
گئے ھیں - خسرو کے فارسی کلام میں بھی ھندی
الفاظ جا بجا استعمال ھوے ھیں جنھیں وہ بڑے
سلیقه سے استعمال کرتے ھیں - جس طرح وہ ھندی
زبان کے ماھر تھے اسی طرح وہ ھندی موسیقی میں
بھی درجۂ کمال رکھتے تھے - ان دونوں کا ساتھ لازم
و ملزوم ھے ' جس طرح انھوں نے ھندی موسیقی
میں فارسی نغمه کا پیوند لگایا ھے بعینه اسی طرح
انھوں نے ھندی اور فارسی کو ملایا ھے اور حضرت
امیر کے حق میں یه کہنا بالکل بجا ھے که وہ
پہلے شخص ھیں جنھوں نے سرزمین ھند میں اس
زبان کا بیج بویا جو بعد میں ریختہ ' اردو ' یا
ھندوستانی کے نام سے موسوم ھوئی —

اُن کی جو چیزیں ھمیں زبانی پہنچی ھیں اُن
کے متعلق بدگمانی کرنا درست نہیں - ھماری بہت
سی ایسی عزیز چیزیں ھیں جو سینه بسینه ھم تک

پہلےہی ہیں یہ سچ ہے کہ ان میں تصرف کیا گیا ہے
لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ان کی نہیں ۔ بعض
ایسی بھی ہیں جو اُن سے منسوب کردی گئی ہیں
لیکن منسوب کرنے والوں کی نظر میں ضرور ایسی
اصلی چیزیں تھیں جن کی نقل اتارنے کی انھوں نے
کوشش کی ہے اور جہاں جعل بنانے میں ذرا سی
بھی کسر رہ گئی ہے تو اُن کی چوری پکڑی
گئی ہے اور وہ چیزیں اپنی وضع و ترکیب اور زبان
کی وجہ سے خود بخود ساقط الاعتبار ہو گئی ہیں۔
یہ تو زبانی چیزوں کا حال ہے ۔ تحریری کلام بھی
تصرف سے محفوظ نہیں رہ سکا - کیا سعدی کی گلستاں
بالکل وہی ہے جو سعدی نے لکھی تھی یا فردوسی
کا شاہنامہ بعینہ وہی ہے جس کے لئے اُس نے تیس
سال خون جگر کیا یا تھا —

شمس العشاق شاہ میراں جی

اگر حضرت گیسو دراز کے رسالۂ معراج
العاشقین سے قطع نظر کی جاے اور اُسے
منسوب خیال کیا جاے تو پہلے صوفی بزرگ جن
کا کلام مستقل طور سے ملتا ہے وہ حضرت شاہ
میراں جی شمس العشاق بیجاپوری ہیں جن کا سنہ
وصال لفظ "شمس العشاق" سے سنہ ۹۰۲ ہجری نکلتا

ہے - آپ مکہ میں پیدا ہوے اور کچھ دنوں بعد
ہندوستان آئے اور حضرت شاہ کمال الدین مجرد
بیابانی سے بیعت ہوئے - شاہ کمال الدین کو شاہ
جمال الدین مغربی سے بیعت تھی اور وہ حضرت سید
محمد حسینی گیسو دراز کے مرید تھے - حضرت گیسو
دراز کا فیض دکن میں بہت وسیع اور عام ہے
اور اُن کے روحانی فیوض کچھ بھی ہوں لیکن اُن
کا یہ فیض کچھ کم نہیں کہ اُن کے سلسلہ میں
اس زبان کو روز افزوں فروغ ہوا جو وہ اپنے ساتھ
دہلی سے لائے تھے - کیا یہ کچھ کم کرامات ہے کہ
ایک شخص جو مکہ میں پیدا ہوتا ہے ہند میں
آکر یہیں کی زبان میں تعلیم و تلقین کرتا ہے -
یہی نہیں بلکہ اُسی میں لکھتا پڑھتا اور اُسی
میں نغمہ سرا ہوتا ہے - چنانچہ وہ خود اپنے حال
میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ مکہ سے مدینہ
شریف کی زیارت کو گئے اور تقریباً بارہ سال
روضۂ مبارک کے قریب رہے - ایک روز شب جمعہ کو
آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے انہیں ہندوستان
جانے کے لئے ارشاد فرمایا تو آپ نے نہایت عجز
سے یہ عذر کیا کہ میں ہندوستان کی زبان سے

ناواقف ہوں - آنحضرت نے زبان مبارک سے فرمایا "ہمہ زبان بشما معلوم خواہد شد" اور یہی ہوا۔ ان کا تقریباً سارا کلام (جو اس وقت تک مجھے دستیاب ہوا ہے) اسی ہندی زبان میں ہے - اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ اس وقت ہندوستان کی عام زبان یہی تھی اور دو آبے، پورب، پنجاب، گجرات، دکن وغیرہ میں اسی کا تسلط تھا - شاہ میراں جی بڑے با برکت بزرگ تھے انھوں نے بیجا پور میں ایک ایسے خاندان کی بنیاد ڈالی جس میں اُن کے جانشین یکے بعد دیگرے کئی پشت تک بڑے صاحب علم اور صاحب ذوق ہوئے اور انھوں نے اسی کو اپنی زبان سمجھا اور اسی زبان میں سلوک و معرفت پر متعدد رسالے اور نظمیں لکھیں - اس خاندان کے مریدوں اور معتقدوں نے بھی اپنے مرشدوں کی پیروی میں اسی زبان کو اپنی تصنیف و تالیف کا ذریعہ بنایا - یہ اسی مبارک خاندان کا اثر تھا کہ بیجا پور میں زبان کو اس قدر فروغ ہوا اور وہاں ایسے ایسے خوش بیان اور بلند خیال شاعر پیدا ہوئے جن کی نظیر اردو کے شاعروں میں بہت کم ملتی ہے —

اس خاندان کے کسی مرید و معتقد نے اس خاندان کے بزرگوں کے تمام کلام کو خاص اهتمام اور احتیاط سے ایک جگہ کردیا ہے۔ وہ قلمی بیاض جو بہت ضخیم ہے مجھے ایک بزرگ نے عنایت فرمائی۔ اس میں شاہ میران جی کے کئی رسالے ہیں۔ اس قلمی مجموعہ کا سنہ کتابت ۱۰۹۸ هجری ہے۔

ایک رسالے کا نام شہادت الحقیقت یا شہادت التحقیق ہے۔ یہ خاصی بڑی نظم ہے۔ اندرونی شہادت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شاہ صاحب ہی کی تصنیف ہے۔ وہ اس میں اپنے پیر شاہ کمال بیابانی کا اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ اُن کی تصنیف ہونے میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا۔ فرماتے ہیں —

اس کمالیت کا سنگ اس خاندان کا رنگ
اُن کمائے اپنا حال تو ہوے پیر کمال
کچھ تھے نصیب میرے یک دیکھے تو اُن کیرے

یہ نظم اُن کی دوسری نظموں کے مقابلے میں زیادہ سلیس ہے، بحر صت اور هندی ہے چھند میں کہتے ہیں —

بسم اللہ الرحمن الرحیم تو سبحی

یہ سب عالم تیرا رزاق سبھوں کیرا
تجھ بن اور نکوئی نا خالق دو جا ھوئے
جے تیرا ھوے کرم تو تو تے سبھی بھرم
اس کارن تجھ کو دھاوں اور تیرا نام لیوں
تجھ نرتا کون جانے اور پوری صفت بکھانے
ھے تیرا انت نہ پار کس سو کہوں کروں اچار *
جو تیرا امر جانے اس نہی کو نہ مانے

اس کے بعد نعت کے چند شعر ھیں پھر منقبت اور منقبت کے بعد اپنے پیر کا ذکر ھے اور اس کے بعد تصوف کی معمولی باتیں ھیں - لیکن اس سے قبل کہ وہ تصوف اور معرفت کے مسائل بیان کریں ' ھندی زبان میں لکھنے کی وجہ اور معذرت اس طرح بیان کرتے ھیں کہ بہت سے ایسے لوگ ھیں جو عربی جانتے ھیں نہ فارسی ' ان کے لئے ھندی میں یہ باتیں لکھی گئی ھیں - ظاھر پر نہ جانا چاھئے باطن کو دیکھنا چاھئے - زبان کوئی بھی ھو معنوں پر خیال کرنا چاھئے - جیسے مٹی چھان کر سونا نکالتے ھیں اسی طرح بات کے مغز

---

* بیان -

کو لو اور لفظوں پر خیال نه کرو - وه اسے گور بھاکا کہتے هیں یعنے وه زبان جو گھوڑے پر کی هے - اس سے ظاهر هے که اس وقت اهل علم کی نظروں میں اسکی کیا قدر و منزلت تھی - لیکن ساتھه هی کیا اچھی تشبیه دی هے - وه کہتے هیں که یه سمجھ لو که گھوڑے پر بارش هوی اور وهاں کسی کو چھکتا هوا هیرا مل گیا - یه زبان گویا گھوڑے کا هیرا هے ' کوئی معقول آدمی ایسے هیرے کو گندہ سمجھکر پھینک نہیں دے گا۔

هیں عربی بول کیرے   اور فارسی بہتیرے
یه هندی بولوں سب   اس ارتوں کے سبب
یه بھا کا بیلسو بولی   پن اسکا بھاوت کھولی
یوں گر مکه پھل پایا   تو ایسے بول چلایا
جے کوئی اچھیں خاصے   اس بیان کرے پیاسے
وے عربی بول نه جانے   نا فارسی پچھانے
یه ان کو بچن هیت   سانت بو جهیں ریت
یو دیکھت هندی بول   پن معنی هے نپٹو ں
کڑوے پن سو رس   پھل پاکے جوں پھنس
نا دیکھت بورا لیکھو   لے مغز چاکھ دیکھو
جے مغز میٹھا لاگے   تو کیوں من اس تے بھاگے
تیوں اس میں ارت نیچ   سب قرآن کرے بیچ

وہ مغز معنے لیو سب چھال چھوڑ دیو
یا وہ دیکھے چھارا* اس ماتی کا پسارا
نا ماتی اس کو ھان وہ راکھے سہیت آن
یہ چھان سٹا لیوے اور بعضے ناکہ دیوے
یوں بھاکا ماتی جانو زر معنی دل میں آنو
تو جس کو بھاوے جوڑ نا جاسی یہ گن چھوڑ
ھے کڑواں کیرا ھیرا گھوڑ اوپر پڑیا نیرا
کوئی سجاں بھاگوں پاوے تو کیوں نا لیہ اچاوے
گھڑ بھاکا چھوڑ دیجے چن معنی مانک† لیجئے

اس کے بعد کتاب کا نام اور اس کی خوبیاں بتائی ھیں - چنانچہ فرماتے ھیں —

اس نام ھے تحقیق سن شہادۃ التحقیق
اس کا مغز دریا جے دیکھو نت رھے بھریا
سب ھیروں کیری کھان نا موتیوں کیری وان
جے غواص بودہ سیوے تو سالم سودھا لیوے
جے ھوے کا مچھارا کیا جانے گا بچارا

اس کے بعد تصوف کے مسائل بیان کئے ھیں اور یہ سب سوال و جواب کے طرز میں ھیں - سوال طالب

---

* کھار † موتی

کی طرف سے اور جواب مرشد کی جانب سے۔

ان کا ایک اور رسالہ ہے جس کا نام "خوش نامہ" ہے۔ یہ بھی منظوم ہے اور اس میں کچھ اوپر ایک سو ستر دوھے یا شعر ہیں۔ چنانچہ خود ہی کتاب کا نام اور اشعار کی تعداد بتاتے ہیں۔

اس خوش نامہ دھریا نام دوھا ایک سو ستر

هندی شعرا بعض اوقات تصوف اور معرفت کی باتیں عورت سے خطاب کر کے یا عورت کے حالات میں بیان کرتے ہیں۔ مثلاً یہ دنیا اس کی سسرال ہے اور عالم آخرت اس کا میکا ہے۔ اس طرح بطور استعارہ عورتوں کے تمام مناسبات مثلاً زیور پہننا، مہندی لگانا، چرخا کاتنا وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ اس نظم کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خوش یا خوشنودی یا تو ایک فرضی لڑکی ہے یا حضرت کی کوئی عزیز ہے جس کے لئے یہ نظم لکھی ہے۔ اول اس کا نسب نامہ بیان کیا ہے، پھر اس کے سبھاؤ کا ذکر کیا ہے کہ وہ بھولی بھالی ہے، ستونتی ہے، سب کی پیاری ہے۔ دوسری لڑکیوں کی کی طرح بناؤ سنگار نہیں کرتی ہے بلکہ اس کے دل میں خدا کی لگن لگی ہوئی ہے اور اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔

کبھی نہ رنگی سیدھی رنگوں پھولوں باس نہ آیا
رنگ نہ رنگیا دنتوں اس کے بھینی نہ ھاھوں کایا
کہی منجہ سیر سہاگ اللہ کا چھوڑ رھیا سہا و ا
اب کیوں سر سہاوے دو جاتم کو ناھیں تھاوا
اُس کے رنگوں رنگی ساڑی دوجا رنگ نہ بانی
اُس کی باسا ھم کو باسا پھول پھو کت کی آنی
ایسی باتھں کرے گنو نتی مورکہ بو جھیں سدھ
یہی من میں آوے اپنے چھند سوھی سکھاویں بودھ

جب لوگ اُسے بے پروائی اور بے نیازی کا طعنہ دیتے ھیں تو وہ جواب دیتی ھے کہ ھمیں یہی رنگ بھاتا ھے اور ھمیں دنیا اور اُس کے عیش و آرام سے کچھ کام نہیں۔

کہے یہ سب حکم خدا کا جے تم آ کہیں یوں
ھم کو بھاوے یک اللہ سو کرے وہ بھارے تیوں
نا ھم ا چھیں سو کھہ سنسارا نا ھم اچھیں چاؤ
ھم تو راون اوڑیں اس سے جے ھے راون راؤ
جے نرگن گنڑں کا سبن گن کوں سو بوجھے اب
پن پاپ ست دیجے آب شہ سوں میلا ھوئیے تب

اس کے بعد پیر کی تعریف اور اچھے برے پیر کا امتیاز بیان کیا ھے —

پیر وہی جو پدرم لکاوے نور انتانی عین
ملزہ کی سدہ لکہاوے جہاں دیس نہ رین

جس مارگ ٹہیں جیو سنچرے* سوہی مارگ سار
مارگ چھوڑ چلے کو مارگ تن کا ہیں بچار
کریں جبہدیں وہ تیرت پٹن پوگ ابہا سیں دھیان
پانچو چیز ریاسوں راکھیں کیوں کر دیجے مان
چندر سور کی ارتھ دکھاویں کریں اچنبھہ جب
ذاکر ہوس دم چلاویں یہ بھی دھیان الپ†
اونچت سوندے پھریں پھوکٹ تیرت کریں پاچم
تہاں دیکھ جسے دیویں مان رہبوں سورکھ ظلم

....

جن کو شہوت کیڑا ہاوا ان کوں دیسے پیر
جن کے پیر شیاطین وے تو نہ آویں کی حق دھیر

سور کے گل باندھیا مسلک وہ دیا اس کو جانے
اُس کے ناؤیں سر جیا وہ سوہی پچھان ساتے
یا گدھڑے‡ پر قراں لاد یا یک نہ بوجھے بوٹ
لایق اپنے کرے بیان ایہ سو کر اپنے کھوٹ

غرض اسطرح پیروں کے صفات اور ان کے کرتوتوں کا
ذکر برابر چلا جاتا ہے۔ اور وہ مہاراج جی سے عرض کرتی

* چلے † تیوڑا ‡ گدھا۔

ہے کہ میرے حال پر توجہ کیجئے مجھے دنیا اور اس کی لذتوں سے کچھ غرض نہیں ' میں تو تمھارے پریم کی پیاسی ہوں اور تم ہی سے میری آس ہے - وہ خدا کی حمد کرتی ہے اور اُس سے مناجات کرتی ہے ۰

منجھ نالورے الوان نعمت پہوپ بریمل * پان
روکھی سوکھی اوپر خوشی کاہ بڑائی مان
نا منجھ اورے پات پتنبر نہ زر زری سنگار
پہاتی توتی کنبلی نیکی کامہ جہن ہار
نا منجھ اورے پلنگ نہالی صوفے ماڑی باغ
حسرت راکھہ جیونا مرنا یہ تو کسمل † داغ
جے نہ سہایا ڈھول ملاوے کبھو نہ پرگٹ شوق
جے نہ عشقوں آنجھو تھالے کبھو نہ پایا ذوق

——)*(——

توں قادر کر سب جگ سب کوں روزی دیوے
توں سبھوں کا دانا بینا سب جگ تجکوں سیوے
سب کی چنتا تجکوں لاگی جیسے جیو جیون
سبکی جان سبہاں تونہیں دے جے جے جسکے من
ایکس ماتی سولی دیوے ایکس ماتی باج
کیتون بھیک منگاوے کیتوں دیوے راج

* خوشبو † ناپاک · ذلیل ۰

کیتوں پات پتمبر دیتا کیتوں سرکی لا یا
کیتوں اوپر دھوپ تلاوے کیتوں اوپر چھا یا
کیتے گیان بھگت بیراگی کیتے مورکھ گنوار
ایک دن ایک مانس کیتا ایک پرس ایک نار
ایک فرشتہ یک شیطاں یک چور یک ساؤ
ایک جھاڑ یک پتھر ماٹی ایک اگن ایک باؤ
عرش کرسی لوح قلم دوزخ بہشت نپا یا
اسماں سور چندر تارے سب پر حکم چلا یا

تجھتے ہی قدرت کوں زور، تجھتے نور ظہورتا
تجھتے سب کا سبھی پیدا تجھ بن سبھیں بیدا نہ
تجھ بن کوئی نہ مار جوالے، تجھ بن کوئی نہ آس پوراوے
عالم اوپر بادشاہ بھیا، کرے حکم سوں جیتے بھاوے
بہشت میانے آگ اچھاوے، دوزخ کوں سکھ بچھاوے
پکڑ بیکاری تخت بٹھاوے، راجہ راؤں کر دکھلاوے
پھند یا نکو کرے دیوانے، سو کیا انکو انہہ دو جگ میں بہانے
کر کر بندگی جرم گنواوے، پھر پھر توبہ عجب کہاوے
میں اس کارن بہت ترساں، ہر دم گاؤں گیت
جہاں جہاں میں تجھے اوراں، تو ہوں تہاں تہاں
اب نہ چھپوں اب نہ ڈروں، ڈرونکو ہے ننگ سروں
ہوں غریب نپٹ تیرے، آس تجہ آسرے دھروں

داتا چے بالک تھے روسی جانا انہیں کدھر
آپ جس مارگ لاسی میراں میں جاؤں تدھر

———)*(———

تو رحماں رحیماں میرا، مور محبت بوریا
میں تو باندی بردا تیری تیں سجھ ھاتوں دھریا
نا میں کیتی بندگی تیری نا دھر کیتی یاد
دائم کیتی آگل تیرے سائیں تھے فریاد
نیں بھی میرا لاڑ چلایا کبھوں نہ ھوا اُداس
آپ سندیسا تورز گسائیں تیری ملجہ کو آس

یہ دعا قبول ھوتی ھے اور ھاتف خوشخبری دیتا ھے ' فرشتے ادب سے حاضر ھوتے ھیں اور آسمان سے نور کے طبق آتے ھیں اور پھولوں کی خوشبو سے آسمان زمین مہک اٹھتے ھیں۔ خوشنودی کا یہ آخری وقت ھے اور وہ اس دنیا سے چل بستی ھے' یہ نظم بڑی پر کیف اور دل گداز ہے اور جس ڈھنگ سے شاہ صاحب نے ان خیالات کو ادا کیا ھے وہ بہت پر اثر ھے۔

شاہ صاحب کا ایک تیسرا منظوم رسالہ بھی اسی قسم کا ھے۔ خوشی یا خوشی سوال کرتی ھے اور میراں جی جواب دیتے ھیں اور یہی وجہ ھے کہ

اس کا نام بھی خوش نغز ہے۔ اگرچہ اس میں گنتی کے کل بہتر تہتر شعر ہیں، لیکن اسے نو ابواب میں تقسیم کیا ہے جن میں عرفان و روح، مراقبہ، عقل و عشق، کرامات، موحد و ملحد جیسے مضامین پر بحث کی ہے۔

نظم کی ابتدا میں یہ دو شعر بطور تمہید کے لکھے ہیں —

جے ہماری ارادت کی اُن کا یہ احکام
نماز، تسبیح، نیتاں، ذکر اللہ یک نام
اس پر جیتا رہے صدق سوں اوتا اچھے لاب
دین، دنیا، دیدار، بہشتاں پاوے بے حساب

اس کے بعد اصل نظم شروع ہوتی ہے۔ نمونے کے لئے دو شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

خوش پوچھے کی کہو میرانجی عالم اچھے نیتی
پھر کہیں سن جیتی تن اچھیں عالم نیتی
خوش کہے سچ کہو میرانجی عشق بڑا یہ بودہ
پھر کہیں میں آکہوں ہاں اس میں دھرتا سودہ

ایک چوتھا رسالہ شرح مرغوب القلوب ہے جو نثر میں ہے اور حضرت میرانجی ہی کی تصنیف بتایا جاتا ہے۔ اس میں دس باب ہیں جن میں توبہ، طریقت،

حقیقت، شریعت، وضو، دنیا، ترک دنیا، تجرید و تفرید، عشق، معشوق، فنا بقا اور سفر پر بحث کی ہے۔

ان ابواب میں یہ التزام رکھا گیا ہے کہ پہلے قرآن کی آیت ہو مگر وہ زیادہ تر احادیث نبوی لکھتے ہیں اور اس کے بعد ترجمہ اور مختصر تشریح کرتے ہیں۔ دو تین نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

"کل امر ذی بال لم یبدء بہ بسم اللہ فہوا بتر"

پیغمبر کہے جے کچھ کام کریگا کوئی خدا کا ناؤں نہ لے کر تو او کام پائمال ہوے گا۔

"الحمد للہ رب العالمین"

سرانا نوازنا خدا کوں بہوت کہ او پالنہارا ہے عالم کا۔

"العاقبۃ للمتقین"

ہور اس عالم میں خوبیاں دیوے گا کہیا ہے، اپس کوں بچاوتے لوگاں کو ہور پرہیز گاراں کوں۔ "پیغمبر علیہ الصلوٰۃ کہے خدا کی آشنائی جسے کوئی بوجتا ہے، انو کیاں توں رہ کر انو تھے بوجھ، انو تھے توں سن ہور چپ نکو اچھ۔ اس چار باتاں کا بند ہے۔ یوں شریعت میں پہلے پاؤں رکھہ کہ طریقت شریعت سنے ہے"۔

خدا کہیا " تحقیق مال اور پنگڑے تومارے دشمن ہیں' چھوڑ دیو دشمناں کوں اے کیسا غفلت ہے جو تجھے اندھلا کیا موت کی یاد تھے تجھے بسرا کر "۔

شاہ میرانجی کا خاندان بڑی عجب با برکت تھا، ان کے بیٹے اور پوتے اور پڑ پوتے بھی بڑے شاعر گزرے ہیں اور ان کے کلام کا ذخیرہ بہت ضخیم ہے۔ یہاں میں صرف ان کے بیٹے اور پوتے کا ذکر کروں گا۔

شاہ برہان الدین جانم	شاہ برہان الدین جانم حضرت میر انجی شمس العشاق کے فرزند اور خلیفہ

تھے اور اپنے وقت کے بڑے عارف اور صوفی تھے۔ ان کی ولادت اور وفات کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہوئی لیکن اُن کی ایک نظم جو مجھے دستیاب ہوئی ہے اس کا سنہ تصنیف انہوں نے خود (۹۹۰) ہجری بتایا ہے، اس سے یہ ظاہر ہے کہ ان کا انتقال اس سنہ کے بعد ہوا ہے۔ میرے پاس اُن کے کلام کا بہت بڑا مجموعہ ہے۔ ان میں سوائے ایک کے باقی دس سب منظوم رسالے ہیں جو تصوف و سلوک پر ہیں۔ ان کا کلام میرانجی کے لگ بھگ ہے مگر اس سے کسی

قدر صاف ہے اور اس میں شاعرانہ ذوق بھی کسی قدر زیادہ ہے ۔ میں اس موقع پر اُن کی تصانیف کا مفصل ذکر کرنا نہیں چاہتا ، البتہ اُن کے کلام کے چند نمونے پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے اُن کے کلام اور اس وقت کی زبان کا اندازہ ہو سکے —

حمد میں :—

سکتا ، قادر قدرت سوں سمجھے تجھ کوں کوئی کیا
جس کوں اوڑے دیوے ر'ہ کہیا پھدی من پشا
یہ روپ پو کت آپ چھپایا کوئی نپایا انت
سایا سوہ میں سب جگ باندھیا کیوں کر سو جیے پنت
(از وصیت الہادی)

الله پاک منزہ ذات اس سوں صفتاں قائم سات
علم ، ارادت ، قدرت بار سنتا دیکھتا ، بولنہار
حی صفت یہ جان حیات اس کوں نا ہیں کد ممات
ایسیاں صفتاں سوں ہے ذات جوں کہ چند نا چاند سنگات
(از نسیم الکلام)

کوئی کہیں سب عشق تمام　　عشق کے آنگویں کیا ہے فہام
عشق لیا ہے سب پھر باس　　عشق تھے سگلا بھوگ بلاس
بعض آکہیں اپنی بوجھ　　معلوم نہیں کچھ اس کی سوجھ
ایک جمع سب پکڑ یا بار　　جونکے بیج تھے نکلیا جوڑ
کانٹا چھانٹا پھل اور پھول　　شاخ برگ سب دیکھ اصول
ایک جمع کر راکھیں بار　　بیج نہے کا ناھیں بھار
ایکے بیجیں بیج اپار　　بیج نہے سو سگلا جہاز
کوئی کہے یہ دیکھ مقیم　　یو سب عالم اہے قدیم
نہ اس خالق مخلوق کوے　　جیسا تیسا سمجھیا ہوے
(از ملفت الایمان)

——)*(——

کن آدم کا نہ ہاتھ چڑھے رہے کیوں کیلا انسان
صورت پر اعتبار ذرا کہیں جیسے ہیں دیوان
بلکہ ان تھے گھراہ کریوں قران میں فرمان
لوکاں یہ مت گچھ الادی * جن بوجھ بغتوں لادھی
پنتھ اکاس کا وینگم † جانے جل کا مارگ مین ‡
سادھو کا الت سادھو جانے دوجے کوں نہیں چین §

* علیحدہ —　　† پرندہ —
‡ مچھلی —　　§ پہچان —

ایسا سادھو بھا گوں نہیں تو چرنا رھنا لین
لو کاں یہ مت کچ الادی جن بوجہ بھتوں لادھی
(از سکھ سھیلا)

علاوہ ان مثنویوں کے شاہ صاحب نے بہت سے خیال اور دوھے بھی لکھے ھیں جن کی ایک اچھی خاصی تعداد میرے پاس موجود ھے ۔ ایک ایک مثال اُن کی یہاں لکھی جاتی ھے —

—: خیال :—

اب سندیسا مجہ ھے شہ کا
پیر پیرم کے ھیڑے میرے
نس دن جاگے برہ ساری
پلکیں میری آگ بلے کیوں
قول پیا تجہ آس لگی من
جب کا جھانسا تیں مجہ لایا
نہ کا پینا مجہ کوں لاگا
جگ کی ھانسیں کیا مجہ ھوے

جب کب بھا گوں اندر ملے
نینوں سانھہ جوں کنکر ملے
نہ نیندا دیکھے نین پڑے
سپنے دیکھوں سو کھڑے
آس لگی تجہ پاس رھیں
یک تل نہ مجھے ساس رھیں
لوگ دیوانی دیکہ ھنسیں
کہو سریجن کہاں بسیں

دھرا :—

جب لگ تن نہیں چھوڑ یا جیو کوں تب لگ ھونا دور
جب لگ نظر نہیں چھوڑی آنکہ کوں تب لگ ھونا نور

جب لگ سپلا نہوں چھوڑ یا کاں کوں یو سب اعضا حال
جب لگ فہم نہیں چھوڑ یا دل کوں یو جوت ہو فر ا ل
یوں سپ تن میں بر تن دیکھ چھوڑیں اے سکھ دکھ
دکھ سکھ دو نوں یک کرسی تو پاوے سہج کا سکھ

آپیں جوگی سب جگ چیلا آپیں الیک نات رہے یکیلا
اپنی اچھیا کر سب چیلے نپایا نیکی بدی کے دو سدرے بھایا
کلمہ نبی کا پلتہ مار گ لایا تن کا کنتھاکر سب چیلاں پنھایا
بندگی بھبوت کرنت اڈہ لا یا
یقین جوگ تد نند ا تکیہ خاصا لہیا کچھو تی دے بندے پاسا
اس تن کے متہ میں راول کا باسا دھر تری پتر بھر بھو جن کیتا
بادل پھوڑ و اکر پانی دیتا

شاہ برھان کا کلام اگرچہ سادہ ہے لیکن بعض مقامات پر شاعرانہ لطافت بھی پائی جاتی ہے ۔ مثلاً

بن عشق بدہ کو سوجھ نہیں
اور بن بدہ عشق کی گوجھ نہیں
جے آپ کو کھو جیں پیو کو پائیں
پیو کو کھو جیں آپ گنوائیں

ان کا ایک رسالہ کلمۃ الحقایق نام کا

نثر میں ہے ۔ یہ رسالہ اچھا بڑا ہے اور اس میں تصوف کے مسائل سوال و جواب کے طرز پر بیان کئے ہیں ۔ شروع یوں کرتے ہیں —

"الله کرے سو ہوے نہ قادر توانا سوے کہ قدیم القدیم اس قدیم کا بھی کرنہار سمجھ سوجھ سو تیرا تھار و سوجھ ہوا بھی توج تھے بار ۔ جدھاں کچھ نہیں بھی تھا تہیں' دو چار شریک کوئی نہیں ۔ ایسا حال سمجھنا خدا تھے خدا کوں جس پر کرم خدا کا ہوے" ۔

اس کے بعد سوال و جواب شروع ہوتے ہیں ۔ مثال کے طور پر ایک سوال جواب نقل کیا جاتا ہے —

سوال :— "یہ تن الادھا * دستا' و لیکن جیتا بکار † توتنے نہیں بلکہ ستنتر ‡ بکار روپ دستا ہے' یک تل قرار نہیں' جیوں مرکٹ § روپ" ۔

---

* علیحدہ ۔ † ترغیب' تغیر ۔ ‡ قلب' ماہیت ۔ § بندر ۔

جواب:— "اے عارف ظاہر تن کے فعل سوں
گذریا و باطن کرتب دستے۔ اس کا ناؤں
سوں ممکن الوجود۔ دوسرا تن سو ہوی
کہ اس کا ایندرین کا ہکار* و چیشٹا
کر نہارا سو وہی تن، نہیں یو خاک
و سو کھہ دو کھہ بھوگن ہارا۔ جیتا بکار
ررپ وہی دوسرا تن، تو توں نظار کر
دیکھہ، یہ تن فہم سوں گذریا تو کن
اس کا کیوں رہے"—

شاہ برہان نے بھی اپنے پیر و مرشد اور
والد شمس العشاق میراں جی کی طرح ہندی میں
لکھنے کی معذرت کی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ
اُن کے زمانے میں عالم اور ثقہ لوگ ہندی میں
لکھنے سے احتراز کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ
ظاہر پر نہ جاؤ اور باطن کو دیکھو۔ لفظوں کو
نہ دیکھو اور معنی پر خیال کرو۔ ہندی لفظوں
میں کوئی عیب اور خرابی نہیں۔ اگر سمندر کے
موتی کسی ڈبرے یا جوہڑ میں ملیں تو عقلمند
آدمی انہیں کیوں نہ لے۔ فرماتے ہیں—

* حرکت —

عیب ذرا کہیں ہندی بول
معنی تو چک دیکھ ڈھنڈول
جو نکے موتی سمدر سات
تا بر چے لاگیں ہات
کیوں نہ لیوے اس بھی کوے
سہانا چتر جو کوئی ہوے
ہیں سہند کے موتی یو
گیان رتن کے جوتی یو

....

ہندی بولوں کیا بکھان
جے گر پرساد تھا ملجھ گیان

شاہ امین الدین اعلیٰ

شاہ برہان کے فرزند اور جانشین امین الدین اعلیٰ ہیں، وہ بھی باپ اور دادا کے قدم بقدم چلے ہیں۔ ان کی وفات سنہ ۱۰۸۶ ہجری میں ہوئی (مادہ تاریخ ختم ولی ہے)۔ ان کے نظم و نثر کے کلام سے تھوڑا سا نمونہ پیش کیا جاتا ہے، ایک نظم محب نامہ (یا محبت نامہ) قصیدہ کے طرز میں کہی ہے مگر رنگ عاشقانہ ہے، قافیہ تو ایک ہے، مگر ردیف کہیں کہیں بدلتی ہے —

تھورین نین تھرے ساحر ہوتے ہرن کوں
گھرا کر بلاوے توس و قزح بھون کوں

پیچوں بھو یاں زلف تج سو جوں تبے بھر سوں
ھر اہر پر کرشمہ عشاق کے ہچن کوں
راہ صراط پل جوں سر مانگ جو چھپی ھے
کا ھے کشاں * سہا پر صعب بلاونے کوں
سیما عرش علامت کرسی مکت سہاوے
روشن شمع منور پر وانے جالنے کوں

ایک دوسری نظم وجود یہ ھے' اس کا نمونہ ملاحظہ ھو —

نفس کا دوڑنا ھی اس آتھار
یو تو آ ھے نفس بھار
نفس کو لیا و تو دم کی جا کا
لائیں ذکر نہیں تو جاوے بھا کا

آپ نے دوھے بھی لکھے ھیں' ایک دوھے میں کہتے ھیں -

مرنا ھار' جیونا بسار
جیونا ھار' مرنا بسار
سو دہ سریجن کی دیکھہ بچار
لال سریجن دیکھن پاوے
آپس میں دیکھہ آپ گنواوے
من رآنی حضرت قول بھاوے (وغیرہ)

---

* کہکشاں —

بعض دوہوں میں عربی لفظ کثرت سے آگئے ہیں، لیکن ایسے دوہرے بہت کم ہیں —

بای پر گت ذات ظہور ہے
معشوق حق اللہ نور، علی نور ہے
حقیقت حقایق ذات کہاں ہے
صورت معنی ذوالجلال ہے

ان کی بعض غزلیں بھی ملی ہیں، ایک غزل قدیم طرز ریختہ میں لکھی ہے، باقی دکنی اردو زبان میں ہیں۔

شاہ صاحب نے بعض رسالے نثر میں بھی لکھے ہیں، ان کی نثر کی چند سطریں یہاں نقل کی جاتی ہیں —

"اللہ تعالی گنج مخفی کو عیاں کرنا چاہا تو اول اُس میں سوں ایک نظر نکلی، سو اس سے امین دیکھ ہوا۔ امین شاہد کہتے ہیں یو دونوں ذات کے دو طور ہیں۔ ذات نے اپس کو دیکھا، اُسے نظر کہتے ہیں۔ دیکھ کر گواہی دیا تو اُسے شاہد کہتے ہیں۔ یہ تینوں مرتبے ذات کے ہیں" —

ان کے علاوہ شاہ صاحب کی تصنیف سے

متعدد رسالے ہیں۔

اس خاندان کے مریدوں نے بھی تالیف و تصنیف میں وہی روش اختیار کی جو ان کے مرشدوں کی تھی۔ از انجملہ ایک بزرگ سید میران حسینی شاہ امین الدین علی کے مرید تھے۔ یہ حیدرآباد دکن کے باشندے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہیں۔ کسی ضرورت سے بیجاپور گئے تو شاہ امین الدین اعلی سے بیعت کی اور باقی عمر راہ حق میں گزاری یہ کئی رسالوں کے مصنف ہیں لیکن ان کی سب سے مشہور اور ضخیم کتاب شرح تمہید ہمدانی ہے جو "تمہیدات عین القضات" کا ترجمہ ہے۔ اصل کتاب کے مصنف عبداللہ بن محمد المیانجی ملقب بہ عین القضات ہمدانی ہیں، جو سنہ ۵۳۳ ہجری میں بحکم قوام الدین ابوالقاسم درگزینی وزیر سلطان سنجر قتل کئے گئے۔ شاہ میران حسینی کا انتقال ۱۰۷۴ ہجری میں ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اس سنہ سے قبل کی تالیف ہے۔ میرے ایک نسخہ میں سنہ کتابت ۱۰۶۷ ہجری لکھا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اردو کی قدیم نثر کی کتابوں میں خاص درجہ رکھتی ہے کیونکہ علاوہ

چند مختصر رسالوں کے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اس سے قبل نثر میں صرف وجہی کی سب رس پائی جاتی ہے۔ اس کی عبارت کا تھوڑا سا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

"اے عزیزاں! اے بات نہیں سنیاں۔ بادشاہاں گھوڑا مستعد کئے باج نہیں سوار ہوتے، ہور گھوڑے میں کچھ کھوڑ اچھے تو بھی نہیں قبول کرتے۔ یعنے پیر کے عشق میں پختا ہوے باج خدا کے عشق میں نا آسک سی ہور دیکھ نا سکسی۔ اگر عشق خالق فداری بارے عشق مخلوقے مہیا کن۔ اس کا معنا، خدا کی پچھانت کا بل نہیں تو اول اپنی پچھانت کر۔ سوا اے بات یوں ہے کہ آفتاب کا ذات نوازنہارا ہے اور اس کا اجالا جالنہارا ہے۔ یعنے دوست سو نواز نہارا ہور خوبیاں دینہارا۔ ولے اس کا محبت اُسے دکھاتا ہے یعنے معشوق کا محبت عاشق کو گالتا ہے اُس کے فراق میں"۔

ان کی اولاد اور مریدوں میں کئی شخص بہت اچھے شاعر ہوے ہیں جن کا ذکر بخوف طوالت

یہاں ترک کیا جاتا ہے۔

اب میں تھوڑی دیر کے لئے آپ کو بیجا پور سے گجرات کی طرف لے جانا چاہتا ہوں۔ گجرات کا تعلق دھلی سے سلطان علاءالدین خلجی کے عہد سے شروع ہوتا ہے جبکہ اس نے سنہ ۶۹۶ ھجری میں اپنی فوج بھیج کر اس علاقہ پر تسلط کرلیا اور اپنی طرف سے صوبیدار مقرر کردیا۔ یہ صوبیدار سلطنت دھلی کی طرف سے برابر مقرر ہوتے آئے یہاں تک کہ جب دھلی پر تیمور کا لشکر پہنچا اور سلطنت میں ضعف پیدا ہوا تو صوبیدار ظفر خان کے بیٹے تاتار خان نے خود اپنی حکومت گجرات میں قائم کرلی اور محمد شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت پر بیٹھا (سنہ ۸۰۹ ھجری)۔ شاہان گجرات کی حکومت اکبر کے عہد تک رہی۔ اس کے بعد گجرات کا صوبہ سلطنت دھلی میں شامل ہوگیا۔ غرض دھلی کا اثر اس علاقہ پر امیر خسرو کے زمانے سے تھا اور وہاں کی زبان کا اثر جو اس علاقے کی زبان پر پڑا وہ نہ صرف اس وسیع صوبے کے شہروں تک محدود رہا بلکہ سلطنت بیجا پور اور دور و نزدیک کے مقامات میں بھی پہنچ گیا اس کی شہادت ان بزرگوں اور شاعروں کے کلام میں

موجود ہے جو اب تک موجود ہے۔

یہاں میں صرف اُن دو تین صاحب تصنیف بزرگوں کا ذکر کروں گا جنھوں نے اردو کی شاخ گجری یا گجراتی میں اپنا نغمہ سنایا ہے۔

ایک ان میں سے شاہ علی محمد جیو گام دھنی ہیں۔ آپ کا مولد و منشا گجرات ہے۔ آپ گجرات کے کامل عارفوں اور درویشوں میں سے ہیں۔ اہل گجرات پر آپ کی تعلیم و ہدایت کا بہت اثر تھا۔ آپ کا انتقال سنہ ۹۷۳ ہجری میں ہوا۔

آپ کے کلام کا مجموعہ جو "جواہر اسرار اللہ" کے نام سے موسوم ہے آپ کے دادا کے ایک مرید اور آپ کے معتقد شیخ حبیب اللہ نے جمع کیا ہے۔ اسی کلام کا دوسرا نسخہ آپ کے پوتے سید ابراہیم نے مرتب کیا ہے۔ شاہ علی جیو بڑے پایہ کے شاعر ہیں۔ ان کا کلام توحید اور وحدت وجود سے بھرا ہوا ہے اور اگرچہ وحدت وجود کے مسئلے کو وہ معمولی باتوں اور تمثیلوں میں بیان کرتے ہیں مگر ان کے بیان اور الفاظ میں پریم کا رس گھلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ وہ عاشق ہیں اور خدا معشوق ہے اور اپنی محبت کو طرح طرح سے جتاتے ہیں۔ طرز کلام ہندی

شعرا کا سا ہے اور عورت کی طرف سے خطاب ہے۔ زبان سادہ ہے لیکن چونکہ پرانی ہے اور غیر مانوس الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اس لئے کہیں کہیں سمجھنے میں مشکل پڑتی ہے۔ چند آسان نمونے پیش کرتا ہوں۔

تم ری پیا کو دیکھو جیسا   ہور جیوں پر تھو سائیں ایسا
سوے تمہیں ہو ناں وہ ایسا

ایک سہند سات کہاوے
دھو نوس، بادل، میہ برساوے
وہی سہند ہو بوند وکہالے
ندیاں ندلے ہو کر چالے

پیو ملا گل لاگ رہی جے
سکھ سلہ دکھ کی بات نہ کیجے
(میں)

جے ہے سو ہے نہیں نہیں
چھوت ایک وہی ہے سہو نہیں

کہیں سو سجنوں ہو برلاوے
کہیں سو لیلی ہوے دکہاوے

کہیں سو خسرو شاہ کہاوے
کہیں سو شیریں ہوکر آوے

ادھر* پنوالی† چک‡ رتنالی§
بیلی باسک۰ ہور قل کالی
ایہہ جیو مانگیں بہویں دسالی¶

آپیں کھیلوں آپ کھلاؤں
آپیں آپس لے گل لاؤں

بھیس بندوں کے کرسو بندگی اوبہا* ہو ہو نماز گذاروں
ہوں حاجی ہوں کعبہ آہوں آپیں آپس اوپر واروں

کبہیں سو ہوے اندھیاری راتا
سانج بتی کر لاوے دھاتا
ہو کر دیورا راتیں ساری
لاکر جوت دکھاوے ساری

---

* ہونٹ † پان کھائے ہوئے ‡ آنکھ § سرخ ۰ سانپ
¶ دنیا کا دار ... اُتہہ اُتہہ کر •

کہیں سو عاشق ہوکر راؤں کہیں عارف ہوے پچھانوں
کہیں موحد کہیں محقق کہیں سو جانوں کہیں نجانوں

جو جیو زا پیو سوں لاگا ہیئے جس نیہ کی آگا
تنھوں کا لو جہ سب بھاگا

جنہوں من پرم کا بھتکا تلیں تل نیہ کا کھٹکا
سو جانے مرم کا لٹکا

دوسرے بزرگ میاں خوب محمد چشتی ہیں۔ یہ بھی احمد آباد گجرات کے رہنے والے تھے اور ان کا شمار وہاں کے بڑے درویشوں اور اہل عرفان میں ہے۔ خصوصاً تصوف میں دست رسا رکھتے تھے۔ صاحب تصانیف اور صاحب سخن تھے۔ آپ کی ولادت سنہ ۹۳۶ ہجری میں اور وفات سنہ ۱۰۲۳ ہجری میں ہوئی۔ "خموشی" سے تاریخ ولادت اور "خوب تھے" سے تاریخ وصال نکلتی ہے۔

تصوف میں ان کی کئی کتابیں ہیں۔ ان میں سے بعض میرے پاس ہیں۔ ایک رسالہ "بھاؤ بھید" صنائع بدایع کلام میں ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ گفتہ

صنایع بدایع را بزبان گجرات از جہت یاد داشت می گویم، امید بحضرت صانع و بدیع چنانست کہ مقبول گردانہ - دوہرہ :—

حمد خدا کی خوب کر کہ صلوۃ رسول
پچھیں صنعت شعر کی کہے تو ہوے قبول

اما بعد ایں رسالہ بخطاب ''بھاؤ بھید'' مخاطب شدہ است در بیان تلونات کلام و انواع مفہومات نظام- دوہرہ : -

بھاؤ بھید اس ناؤ کر بات بکت سمجھا ٹن
بھاؤ بھید کے شعر کے خوب جو تجہ آپ آئن

اگرچہ تشریح ہر صنعت کی فارسی میں کی ہے لیکن اس کا مفہوم گجراتی اردو میں بھی ادا کیا ہے' مثالیں گجراتی اردو میں ہیں اور یہ تمام مثالیں منظوم اور خود اپنی تصنیف سے ہیں - دو مثالیں ملاحظہ ہوں -

صنعت متضاد' آنست کہ الفاظ چند ضد یدیگر باشند' مثال —

دھیان خدا کا پکڑ جو چھوڑے اُسے کہیں جگ مانہ
بھلا برا ہو ٹہر یا دیکھو سبل نبیل اس تھا نہ

عقدہ :- تین پائیں دی رج بسلاے باند بھوا کے اک کلا ل
خوب ملیں مندلی رنگ نیلے پیلے کالے لال
صنعت تفریق تنہا ۔ آنست کہ میان دو چیز جدائی
افگند مثال ۔

میں خوب تفریق تنہا پچھیان
جدا ی دو ہوں سادہ اس بھانت آن
کنول مکہ جہل بن جدای ایک بات
کنول دیس پھول سے نین یہ دیس رات

ان کی سب سے مشہور اور مقبول کتاب " خوب ترنگ " ہے ۔ جس کا سنہ تصنیف انہوں نے خود اسی تصنیف میں بتادیا ہے " چودہ گھات اوس برس ہزار " یعنے نوسو چھیاسی ۹۸۶ ھجری ۔ خوب ترنگ خالص تصوف کی کتاب ہے ۔ شاہ علی محمد جیو کی کتاب " جواہر اسرار اللہ " اس سے مختلف ہے ۔ اس میں عشق و محبت کا رنگ ہے اور قلبی واردات کا ذکر ہے ۔ خوب ترنگ اس کے مقابلے میں ایک خشک کتاب ہے جس میں صوفیانہ اصطلاحات میں تصوف کے مقامات کا بیان ہے ۔ میاں خوب محمد عالم اور سالک ہیں تصوف کے نکات کے ماہر اور بہت اچھے ناظم ہیں ۔ انہوں نے اپنی اس کتاب کی شرح فارسی میں " اموج

خوبی" کے نام سے لکھی ھے۔

کلام کا نمونہ ملاحظہ ھو:-

حمد و نعت

بسم اللہ کہوں چیت ذات
جس رحمان رحیم صفات
ذات صفات اسما افعال
جمع مفصل چند اک حال
ناؤ محمد تس کو دیت
آس تفصیل سو عالم کیت
اوسی روح ارواح تمام
اسی جوس * کے سب اجسام

جوں کھلہایا سہند چوپاے
جانے سب دریا لے جاے
نوک نقطیں دریا بن پار
بھرے تو نوکچ کی مقدار

---

* چڑھے۔

جیوں ظاہر بھنتیاں کھلائیں
پن اینٹاں اس بھانت دکھائیں
ذرے مسل اک تو لا* تھا نہ
ناؤں دھریا ہے اینٹ سو تانہ
جوہر عرض سو ذرہ جان
تلتل پھرے عرض من آن
جس کو وہم کرے نہیں دوئی
تاوا† جھڈا‡ جسے نہ ہوے

با با شاہ حسینی معروف بہ پیر پادشاہ بھی ایک بزرگ ہوے ہیں جو صاحب دیوان ہیں اور حضرت شاہ علی جیو کے مرید و معتقد معلوم ہوتے ہیں - دیوان کے خاتمے پر شاہ صاحب نے ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :-

شاہ علی جیو جگ پرورتم ہو مہربان لال
نازک نہال ہے شاہ حسینی راکھو تم سنبھال
دنیا فانی سراب کی نالاگی اس کو جیو

---

* مجہول ہے۔ † باٹیں۔ ‡ دائیں۔

ان کا کلام صوفیانہ اور عارفانہ ہے -

اُس صاحب ثنا سوں دیکھو جب صدا ہوا
ہر عہد تھے جواب سو قالو بلا ہوا

غزل

رو برو ہے شہر دوست بے نقاب
دیک ناسک بولتے ہیں در حجاب
اُس اوپر رکھتے ہیں خواہش دید کی
دید کر آپس کا مانند حباب
اس عبادت بیچ نہیں ہے حق رسی
حوض مسجد کا کریں پانی خراب
حق رسی کی ہے عبادت عین دید
جوں صنم کا مبتلا مست شراب
دل ترا از آب ریا ظاہر منے
پھر استنجا رہیں در پیچ و تاب
گھر سے نکلیں رہ گزر کی دید کوں
وقت جاتا گر جماعت کا شتاب
طعنہ زن نیں ہے حسینی بر عباد
دن سیں کرتا ہے اپس کے یوں خطاب

میں نے اس مضمون میں گیارہ صدی تک کے اهل الله اور صوفیا کا ذکر کیا هے - بعد کے بزرگوں کا ذکر نہیں کیا کیونکہ گیارھویں صدی اور اسکے بعد یہ زبان عام هو گئی تھی اور اُس میں بہت اچھے اچھے خوش بیان شاعر اور صاحب سخن پیدا هو گئے تھے —

گجرات و بیجاپور کے بزرگوں کے سلسلہ میں ایک بات یہ عرض کرنی چاهتا هوں کہ دلی سے جو زبان جنوب کی طرف گئی اسکی دو شاخیں هو گئیں - دکن میں گئی تو دکنی لہجے اور الفاظ کے داخل هونے سے دکنی کہلائی اور گجرات میں پہنچی تو وهاں کی مقامی خصوصیت کی وجہ سے گجری یا گجراتی کہی جانے لگی - هم اپنی دیکھ چکے هیں کہ شاہ میرانجی اور شاہ برهان نے هندی میں لکھنے کی معذرت کی اور جس زبان میں انھوں نے تصنیفیں تحریر فرمائی هیں اُسے هندی سے موسوم فرماتے هیں - یہاں هندی کا لفظ فارسی کے مقابلہ میں استعمال کیا گیا هے - عام طور پر هر دیسی زبان هندی کہی جاتی تھی - یہ زبان جو بعد میں ریختہ اور اب اردو کے نام سے معروف هے ایک مدت تک

هندی ہی کے نام سے موسوم رہی' چنانچہ میر تقی' میر حسن یہانتک کہ مصحفی اپنے تذکروں کو سخن آفرینان ہندی اور سخن گویان ہندی کے تذکرے کہتے ہیں۔

لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ باپ بیٹے (شاہ میرانجی اور شاہ برہان) جو ہندی میں لکھنے کی معذرت کرتے ہیں دوسرے مقامات پر اپنی زبان کو گجری یا گجراتی کہتے ہیں۔ چنانچہ شاہ برہان اپنی کتاب "کلمۃ الحقائق" میں فرماتے ہیں:—

"سبب' یو زبان گجری نام این کتاب کلمۃ الحقائق"

اپنی ایک دوسری تصنیف "حجۃ البقا" میں لکھتے ہیں:—

جے ہوویں گیان بچاری نہ دیکھیں بھاکا گجری
جس ارتھوں کیر افہام کیا بولوں سو ہے کام

یہی بزرگ اپنی ایک دوسری کتاب "ارشاد نامہ" میں کہتے ہیں:—

یہ سب گجری زباں کر یہ آئنہ دیا نہاں

شاہ علی محمد جیو کے کلام جواہر الاسرار کے مرتب شیخ حبیب اللہ اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں "بہ لسان دُرر بار و جوہر نثار بہ الفاظ گوجری بہ طریق نظم بزبان مبارک خود فرمودند" - شیخ خوب محمد بھی اپنی کتاب کی زبان کے متعلق فرماتے ہیں :—

جیوں میری بولی منہ بات
عرب عجم مل ایک سنگات

" جیوں میری بولی منہ بات " کا مطلب یہ ہے کہ وہ بولی جو میرے روز مرہ کی بول چال ہے اس کی شرح "امواج خوبی" میں یوں کی ہے "ہریک شعرے بزبان خود تصنیف کردہ اند و میکنند، من بزبان گجرات کہ بالفاظ عربی و عجمی آمیز است گفتہ ام" یعنی ان کی زبان وہ ہے جس میں گجراتی کے ساتھہ عربی فارسی الفاظ کی آمیزش ہے - اس آمیزش کا نام ریختہ ہے -

"باؤ بھید" کی تمہید میں لکھتے ہیں

" صنائع بدائع را بزبان گجرات از جہت یادداشت می گویم " -

ایک دوسری جگہہ لکھتے ہیں :—

جیوں دل عرب عجم کی بات
سن بولے بولی گجرات

یہاں بھی اپنی زبان کو گجراتی کہا ہے۔

شاہ برھان کا ایک جگہ اپنی زبان کو ھندی کہنا اور دوسری جگہ گجری کہنا بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ بات نہیں۔ ھندی عام ہے یعنی وہ زبان جو ہر جگہ مستعمل تھی ھندی ہی کے نام سے موسوم تھی۔ گجری اور گجراتی خاص ہے یعنی وہ زبان جو گجرات اور اُس کے قرب و جوار کے علاقے میں بولی جاتی تھی اور جس میں کچھ مقامی لفظ بھی داخل ہو گئے تھے۔ زبان ایک ہے، دکن میں دکنی کہنے لگے اور گجرات میں گجری اور گجراتی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اُن میں کہیں کہیں مقامی رنگ کی جھلک نظر آجاتی ہے۔

اگرچہ میرانجی شاہ اور برھان شاہ اپنی زبان کو گجری بھی کہتے ہیں لیکن ان پر گجراتی کا اتنا اثر نہیں جتنا شیخ علی محمد یا میاں خوب محمد کی زبان میں پایا جاتا ہے۔ وہ لوگ پور بھی گجرات سے دور تھے اور یہ دونوں صاحب خاص احمد آباد گجرات کے رہنے والے تھے اور اسی لئے

ان کے ہاں بہت سے ٹھیٹ گجراتی لفظ استعمال ہوئے ہیں جو بیجاپوری بزرگوں کے کلام میں نہیں پائے جاتے۔ مثلاً ہوں بمعنی میں (ضمیر واحد متکلم) توسی (توشی) بمعنی بڑھیا؛ اونٹدا، گہرا؛ چھولی، چھوٹی سوم؛ ہب یا ہبیں (ہوئے)، اب؛ جھنڈا، دایاں، پپوتے (فوفوتے) حباب وغیرہ۔ محض اس ذرا سے فرق کی بنا پر اسے گجراتی کا نام دے دیا گیا تھا۔

میں نے آپ کے سامنے آٹھویں نویں اور دسویں صدی اور ایک دو گیارھویں صدی کے زمانے کے نمونے پیش کئے ہیں۔ یہ سب صوفیہ کے کلام میں سے انتخاب کئے گئے ہیں۔ آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ قدما کے اقوال جو کسی خاص سوال کے جواب میں یا معمولی گفتگو میں آئے ہیں وہ خالص ہندی میں ہیں۔ اُن میں شاذ و نادر فارسی عربی لفظ نظر آتے ہیں۔ ابتدائی کلام بھی سادہ ہندی ہے خصوصاً جو صوفی سماع کا ذوق رکھتے تھے۔ اور شاعر بھی تھے ہندی دوہرے اور خیال وغیرہ اسی زبان میں کہتے تھے۔ لیکن اُن میں بھی کبھی کبھی اپنے ہاں کے متعارفانہ الفاظ داخل کر دیتے تھے۔ جب انہیں اپنے مریدوں اور معتقدوں کی ہدایت کے لئے

نظم و نثر میں رسالے لکھنے کی ضرورت پڑی یا معرفت و سلوک میں سوالات کے جواب لکھنے پڑے تو وہ اپنی مذہبی اصطلاحات ہندی تصوف کے الفاظ کے ساتھ ساتھ بے تکلف استعمال کرنے لگے - یہاں تک کہ حمد و نعت میں بھی عربی کے خاص الفاظ کے ساتھ سنسکرت کے مذہبی لفظ بھی بے ساختہ لکھ گئے ہیں - اس رواداری سے اُن کی غرض یہ تھی کہ ان کی ہدایت عام اور وسیع ہو - جس طرح انھوں نے ملک کے حالات کے لحاظ سے بعض ظاہری قیود کو توڑ کر اہل ملک سے ارتباط اور میل جول بڑھانے اور اُنکو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی اسی نظر سے اُنھوں نے اُنکی اور اپنی زبانوں کو بھی ملانا شروع کیا - اُنکی نظموں کی بحریں (اکثر و بیشتر) ہندی ہیں ' طرز بھی نظموں کا ہندی ہے یہاں تک کہ کبھی کبھی ہندی دیو مالا کی تلمیحیں اور استعارے بھی استعمال کر جاتے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ اپنی چیزوں کو بھی ملاتے جاتے ہیں - ہوتے ہوتے اس میل اور ارتباط سے خود بخود ایک نئی زبان بن گئی جو نہ ہندی تھی نہ فارسی ' بلکہ ایک نئی مخلوط زبان تھی جسے ہم اب اردو یا ہندوستانی کہتے ہیں -

یہ لوگ اپنی نظموں میں عروض و قافیہ اور نظم کے اصول و قواعد کی پروا نہیں کرتے - اکثر مصرعہ کو کھینچ تان کر سکتہ پورا کر لیتے ہیں (جیسے سر کو سیر اور فکر کو فکیر) - ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن کرلینا اُن کے ہاں کوئی بات نہیں - اشباع و اماله، ترخیم و تخفیف کا بلا تکلف استعمال کر جاتے ہیں - قافیہ میں صرف صوت کا خیال کرتے ہیں بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آوازیں بھی ایک نہیں تو بھی بلا تامل قافیہ باندھ جاتے ہیں مثلاً خالق کا قافیہ مالک اس بنیاد پر روا ہو سکتا ہے کہ ہندی میں ق اور ک کی آواز میں چنداں فرق نہیں کیا جاتا لیکن عارف کا صادق، فرق کا طرف، عشاق کا کشاف، شرف کا فرق، انصاف کا پاس قافیہ کیونکر ہو سکتا ہے - یہ بزرگ اس کی پروا نہیں کرتے - جن عربی الفاظ کے آخر میں ح اور ع آتے ہیں اُن میں ان حروف کا تلفظ اکثر اہل ہند نہیں کرتے - اسی بنا پر بعض بزرگوں نے گرو کا قافیہ شرو (شروع) اور صحی (صحیح) کا قافیہ کوئی باندھ دیا ہے - وہ ان چیزوں کا اس لئے خیال نہیں کرتے تھے کہ اُنہیں اپنا کلام اور اپنی ہدایت عوام تک پہنچانی تھی اور یہ سب چیزیں انہیں کی زبان میں اُنہیں

کے لئے لکھتے اور کہتے تھے۔

ہندی یا اس نو مولود زبان میں لکھنا اہل علم اپنے لئے باعث عار سمجھتے تھے اور وہ اپنی عالمانہ تصنیف کو اس حقیر اور بازاری زبان کے استعمال سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ صوفی ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے جرأت کی اور اس کفر کو توڑا۔ صوفی ظاہری ننگ و عار سے بالا ہوتا ہے۔ اُس نے پھر ایک بار یہ دکھا دیا کہ حقیر سی حقیر چیز سے بھی کیسے کیسے بڑے کام نکل سکتے ہیں۔ یہ صوفیوں ہی کی جرأت کا فیض تھا کہ اُنکی دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں نے بھی جو پہلے ہچکچاتے تھے اس کا استعمال شعر و سخن مذہب و تعلیم اور علم و حکمت کے اغراض کے لئے شروع کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں ان صوفیائے کرام کو اردو کا محسن خیال کرتا ہوں۔

یہ بزرگ اس زبان کے بڑے ادیب اور شاعر نہ تھے یا کم سے کم اُن کا مقصد اس زبان کی ترقی نہ تھی نہ اس کا انھیں کچھ خیال تھا۔ اُن کی غایت ہدایت تھی۔ لیکن اس ضمن میں خود بخود اس زبان کو فروغ ہوتا گیا اور عہد بعہد نئے نئے اضافے اور اصلاحیں ہوتی گئیں اور اُنکی مثال نے دوسروں کی ہمت بڑھائی

جس سے اس کے ادب میں نئی شان پیدا ہوگئی۔ گو یہ اب ایک بھولی بسری داستان ہے لیکن اردو زبان کا مورخ اُن کے احسان کو کبھی نہیں بھول سکتا۔

حضرت کبیر | میں اس مضمون کو حضرت کبیر کا ذکر کئے بغیر ختم نہیں کر سکتا - یہ بنارس کے رہنے والے تھے ان کے زمانے کے متعلق بہت کچھ اختلاف ہے۔ ابوالفضل اور دوسرے مورخوں نے انہیں سکندر لودھی کا ہمعصر بتایا ہے جو دسویں صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ ہوتا ہے۔ کبیر سچے صوفی اور عارف ہیں۔ انہوں نے معرفت الٰہی' دنیا کی بے ثباتی وغیرہ پر خوب خوب نظمیں لکھی ہیں - وہ ریا اور ظاہر داری کے سخت دشمن ہیں اور شیخ و برہمن دونوں کو یکساں لتاڑ تے ہیں۔ وہ شاعر بھی اعلیٰ درجے کے ہیں۔ انکے کلام میں سادگی اور شیرینی ہے اور اس کے ساتھ ہی اثر' جدت اور زور بھی ہے - وہ اعلیٰ سے اعلیٰ مضامین کو اپنی روز مرہ کی سادہ زبان میں معمولی تمثیلوں اور تشبیہات و استعارات کے ذریعے اس خوبی اور صفائی سے بیان کر جاتے ہیں کہ دل پر چوٹ لگتی ہے۔ وہ بہت دلیر اور جری بھی ہیں اور کڑوی سے کڑوی

بات کو صاف صاف بے دھڑک کہہ جاتے ہیں۔ لاگ لپیٹ اُن میں نام کو نہیں۔ وہ جو کہتے ہیں ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں اور کسی کی مروت نہیں کرتے اور ہندو مسلمان سب کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔ اُن کے کلام اور زبان کی سادگی و تاثیر اور صداقت و خلوص نے اُنہیں دونوں فرقوں میں یکساں مقبول بنادیا ہے۔ ہندو اُنہیں کبیر داس اور مسلمان شاہ کبیر کہتے ہیں۔ اُن کی زبان جیسا کہ اُن کا وطن بتاتا ہے اور جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں' پوربی ہے۔

میری بولی پوربی تاہی نہ چینھے کوی
میری بولی سو لکھے جو پورب کا ہوی

لیکن ان کی پوربی گوسائیں تلسی داس یا ملک محمد جائسی کی سی پوربی نہیں کہ جن کے کلام کے سمجھنے کے لئے شرح کی ضرورت ہے۔ کبیر کا کلام جنوبی ہند کے بعض علاقوں کو چھوڑ کر ہندوستان کے ہر حصے میں آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ تلسی داس اور ملک محمد جائسی کی زبان پرانی اور مردہ ہوجائے گی لیکن کبیر کا کلام ہمیشہ تازہ اور ہرا بھرا رہے گا۔ یہی وہ زبان تھی جو نویں اور دسویں صدی ہجری

میں ہندوستان کے تقریباً ہر خطے میں بولی یا سمجھی جاتی تھی اور اسے ہندوستان کی عام زبان ہونے کا فخر حاصل تھا۔ حضرت کبیر نے جس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذاہب کو ایک کرنے کی کوشش کی ہے اسی طرح ان دونوں کی زبانوں کو بھی اپنے کلام میں بڑی خوبی سے ملا کر ایک کردیا ہے۔ یہیں سے اردو یا ہندوستانی کی بنیاد شروع ہوتی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ کبیر اُس زبان کے اولین بانیوں میں سے ہیں جو ہندوستان کی عام زبان کہلانے کی مستحق ہے۔ بلا شبہ اُن کے خیالات اعلیٰ اور اُن کا خلوص بے ریا ہے اور ایسے شخص کا اثر ہونا لازم ہے۔ لیکن اُس کی زبان نے اُس کے اثر کو زیادہ گہرا کر دیا۔ اُن کی سادگی میں حلاوت پیدا کردی ہے اور انکی محبوبیت اور مقبولیت کو دہ چلند کردیا ہے۔ وہ عربی فارسی الفاظ بلا تکلف اور بڑے موقعہ سے استعمال کرتے ہیں اور اب بھی کئی سو برس کے بعد جب ہم اُن کا کلام پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کہنے والا ہمارے زمانے کا شخص ہے۔ یہ پھول اس پیڑ کا ہے جو انھوں نے ہندی پر فارسی کی قلم باندھ کر لگایا تھا۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ کیجئے۔

(۱) رهنا نهیں دیس بیگانا هے
یه سنسار کاگد * کی پڑیا
بوند پڑے گھل جانا هے

(۲) بہت دنن بچھڑے هری پائے
بھاگ بڑے گھر بیٹھے آئے

(۳) جاگ پیاری اب کا سووے
رین گئی دن کاهے کھووے

(۴) مرے تو مرجائیے چھوٹ پڑے جنجار †
ایسا مرنا کو مرے دن میں سو سو بار

(۵) کبیر یه گھر پریم کا خاله کا گھر ناهیں
سیس اُتارے هاتھه سو پیٹھے گھر ماهیں

(۶) ایسا کوئی نا ملے جاسوں رهئے لاگ
سب جگ جلتا دیکھئے اپنی اپنی آگ

(۷) سیٹھیا کہاں سدھو کری بھانت بھانت کو ناج
دھری کس هی کا نهیں بلا ولایت راج

(۸) کبیر اس سنسار کو سمجھاؤں کے بار
پونچھه تو پکڑے بھیڑ کی اترا چاهے پار

(۹) کبیر نوبت آپنی دس دن لیہو بجائے
اے پور پٹن اے گلی پھیر نه دیکھو آئے

---

* (کاغذ) - † (جنجال)

(۱۰) میرا مجھ میں کچھ نہیں جوکچھ ہے سو تیرا
تیرا تجکو سونپتے کیا لاگے میرا

(۱۱) کبیر سکھ کو جاے تھا آگے آیا دکھ
جای سکھ گھر اپنے ہم جانیں اور دکھ

(۱۲) کبیر ایک نہ جانیا تو بہو جاننیا کیا ہوے
ایک ہی تیں سب ہوت ہے سب تے ایک نہوے

(۱۳) ہاڑ جلے جوں لاکڑی کیس جلے جوں گھاس
سب تن جلتا دیکھ بھیا کبیر اداس

(۱۴) کبیر حد کے جیو سوں ہت کر مکھوں نہ بول
جے لاگے بے حد سوں تن سوں انتر کھول

(۱۵) کبیر ناؤ ہے جرجری کوڑے* کھیون ہار
ہلکے ہلکے تر گئیے بوڑے÷ جن سر بھار

(۱۶) سکھیا سب سنسار ہے کھاے اور سووے
دکھیا داس کبیر ہے جاگے اور رووے

(۱۷) کبیر بھاٹی کلال کی بہت ایک بیٹھے آئے
سر سونپے سوں پئے نہیں تو پیا نہ جائے

(۱۸) چلو چلو سب کوئی کہے موہی اندیسہ اور
صاحب سوں پرچا نہیں جائیں گے کس ٹھور

---

* بیوقوف ۔ ÷ ڈوبے ۔

قواعد و ضوابط انجمن ترقی اردو

اورنگ آباد (دکن)

(۱) سرپرست وہ ہیں جو پانچ ہزار روپے یک مشت یا پانسو روپے سالانہ انجمن کو عطا فرمائیں —

(ان کو تمام مطبوعات انجمن بلا قیمت اعلیٰ قسم کی جلد کے ساتھ پیش کی جائیں گی) —

(۲) معاون وہ ہیں جو ایک ہزار روپے یک مشت یا سالانہ سو روپے عطا فرمائیں - (انجمن کی تمام مطبوعات ان کو بلا قیمت دی جائیں گی) —

(۳) رکن دوامی وہ ہیں جو ڈھائی سو روپے یک مشت عطا فرمائیں —

ان کو تمام مطبوعات انجمن مجلد نصف قیمت پر دی جائیں گی -

(۴) رکن معمولی انجمن کے مطبوعات کے مستقل خریدار ہیں جو اس بات کی اجازت دے دیں کہ انجمن کی مطبوعات طبع ہوتے ہی بغیر دریافت کیے بذریعہ قیمت طلب پارسل ان کی خدمت میں بھیج دی جائیں - (ان صاحبوں کو تمام مطبوعات پچیس فی صدی قیمت کم کرکے دی جائیں گی) مطبوعات میں انجمن کے رسالے بھی شامل ہیں —

(۵) انجمن کی شاخیں وہ ہیں جو انجمن کو یک مشت سوا سو روپے یا بارہ روپے سالانہ دیں (انجمن ان کو اپنی مطبوعات نصف قیمت پر دے گی) —

Anjuman -E- Tarraqqi -E- Urdu Series No. 74

The Sufis' Work in the early Development of Urdu Language

BY

MOULVI ABDUL HAQ B. A. (ALIG.)

PRINTED AT THE "ANJUMAN URDU PRESS"
AURANGABAD (DECCAN)
[illegible]